کھرزان، مالیہ اور لگان

تالیف: سید محمد علی موسوی

ناشر: الفارابی پبلیکیشنز بلتستان

اسلام اور انسان

انسانی معاشرے میں انسان کی ضروریات کا تعارف اور ان کی فراہمی کے لیے کسی طریقہ کار کی ضرورت ہے۔ انسان کو جہاں اپنی ضروریات کی پہچان میں دین اور مذہب کے سہارے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح ان کی فراہمی کے طریقے میں بھی دین کا محتاج ہے۔ دین انسان کی ضروریات کا تعارف کرتا ہے یعنی اگر دینی راہنمائی نہ ہوتی تو انسان اپنی حقیقی ضروریات اور جعلی اور ماحول کی تلقین یافتہ ضروریات میں تمیز نہیں کر سکتا۔ پھر روٹی، کپڑا اور مکان وغیرہ جیسی مادی اور حیوانی ضروریات قومی ضرورت بن جاتی ہے۔ اس کے مقابلے میں ایمان، تقوی، عدالت اور کرامت جیسی اقدار غیر ضروری بن جاتی ہیں۔ جبکہ یہ انسان کی فطری ضروریات ہیں۔ اور انسان کی حقیقی ضرورت اللہ ہے پھر اس کی ہدایت سے ان فطری چیزوں کا حصول ممکن ہو جاتا ہے۔ ورنہ ایک حیوان سے زیادہ انسان کی حیثیت نہیں رہتی۔

البتہ یہ یادآوری ضروری ہے کہ جس طرح انسان کی ضروریات کی شناخت کے لئے کسی راہنما کی ہدایت ضروری ہوتی ہے۔ اسی طرح سماجی اور شیطانی تلقینات کی وجہ سے وہ فطری ضروریات کی تسکین سے مایوس ہو جاتا ہے۔ خواہ ایمان اور کرامت کی ضروریات کا احساس بھی کرے لیکن شیطانی خیالات کی وجہ سے ان کے حصول اور تسکین کو ممکن نہیں سمجھتے۔ جبکہ اللہ ان کے حصول کی ضمانت دیتا ہے۔ ارشاد ہے :

﴿الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾[1]

﴿شیطان تمہیں تنگدستی سے ڈراتا ہے اور بدکاریوں کی ترغیب دیتا ہے جبکہ اللہ تمہیں اپنی طرف سے مغفرت اور انعام کا وعدہ دیتا ہے اللہ بہت وسعت اور علم والا ہے۔﴾

کمال دین

دین اپنے کمال کی وجہ سے انسان کی ہر قسم کی ضرورتوں پر مشتمل ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ انسان کو اپنے انفرادی اور سماجی روابط اور تعلقات میں دو قسم کی ضروریات کا سامنا ہے :

1 : سورہ بقرہ آیت ۲۶۸

الف) ثابت تعلقات : جو زمانہ بدلنے سے نہیں بدلتے۔ مثلاً باپ بیٹے کے تعلقات یا میاں بیوی کے تعلقات یا بہن بھائی کے تعلقات وغیرہ۔

ب) متغیر تعلقات : جو زمانہ بدلنے سے بدلتے ہیں۔

ان تمام تعلقات میں قانون اور اصول حکم فرماہوتے ہیں جن کیلئے انسان کو ہدایت اور راہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح ثابت تعلقات کیلئے ثابت اصولوں کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح متغیر تعلقات میں متغیر اصولوں کی ضرورت ہے۔ ثابت اصول ہر شریعت میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن مکتب اہل بیت علیہم السلام اس اعزاز سے سرفراز ہے کہ اس کے پاس متغیر تعلقات کیلئے متغیر اصول موجود ہے اور نظام امامت اسی ضرورت کا ضامن ہے۔

یہاں اس نکتے کی نشاندھی ضروری ہے کہ ان متغیر ضروریات کے دوام کے ساتھ ان متغیر قوانین کا دوام بھی ایک منطقی بات ہے۔ لہٰذا نظام امامت کسی زمان اور مکان سے محدود کرنا شریعت کے ناقص ہونے کا مستلزم ہے۔ لہٰذا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد امامت کی ضرورت کی ایک دلیل یہی ہے کہ اگر نظام امامت نہ ہوتا تو شریعت ناقص ہوتی۔ بالکل اسی دلیل کی بنیاد پر زمان غیبت میں بھی نظام امامت ہے اور حاکم شرعی موجود ہے جس کو امام معصوم کی طرح شریعت کی طرف سے اختیارات ہے کہ وہ ان ضرورتوں میں شریعت کا نفاذ ممکن بنائے۔

افسوس ہے۔[2]

* علماءِ نگہبان کے نام اہم پیغام ! *

(امام حسین علیہ السلام نے کتنے تیر سہے، لیکن آپ (علماء) ایک دشنام بھی اپنے سینے پر نہیں لے سکتا لوگوں کے ڈر سے حق بیان کرنا چھوڑ دیا ہے؟ اگر آپ لوگ اتنا بزدل ہے تو امام علیہ السلام کو رونے کا کیا جواز ہے تیرا؟ مولا حُسین علیہ السلام فرماتے ہیں، * "ظلم کے خلاف جتنی دیر سے اٹھو گے، اتنی ہی بڑی قربانی دینی پڑے گی۔ اسلام کتنا مظلوم اور زخمی ہو گیا تھا کہ جس پر حُسین علیہ السلام کو قربانی دینا پڑا۔ کربلا کا حقیقی اور معنوی پیغام باشعور اور بابصیرت ہو کر معاشرے کے ہر ظالم کے خلاف اٹھنا، ہر ظلم و جبر اور ناانصافی کے خلاف اٹھنا، اور کسی ڈر اور خوف کے بغیر، حرص و لالچ کے بغیر ہر ظالم کے خلاف سیسہ پلائی دیوار بن کر اٹھ کھڑا ہونا ہے *. میدان عمل میں اگر کچھ نہیں کر سکتا تو، زبان سے اظہارِ نفرت و برات کرے، یا اگر یہ بھی نہ کر سکے تو کم از کم دل میں نفرت رکھے اور بد دعا دے۔ اگر ہم یہ نہیں کر سکتے تو یقیناً فقط ماتم داری و عزاداری سے کربلا اور حُسین علیہ السلام کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ خدا ہمیں مولا حُسین علیہ السلام کی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

---

2 : تحریر: بشیر انجنیئر آستانہ سکردو

بلتستان کی تاریخ کا ایک ورق[3]

سکردو میں علی شیر خان ثانی کی وفات پر ان کا بڑا بیٹا احمد شاہ تحت نشین ہوا۔ عام طور پر سکردو کے حکمران بلتستان اور آس پاس کے تمام چھوٹے راجاؤں کا اقتدار اعلیٰ ''رگیالفو'' تصور کئے جاتے تھے۔ لیکن کبھی کبھار موقع پا کر کسی علاقے کا راجہ ''چو '' خود مختاری کے لئے تگ دو کرتا تھا۔ سکردو تخت پر حکمران کی تبدیلی پر خپلو کے راجہ مہدی علی خان نے فائدہ اٹھانا چاہا اور بغاوت کردی۔ رگیالفو احمد شاہ نے اسے بغاوت کو فرو کرنے کے لئے اپنے بھتیجے عبداللہ خان شاہ رخ کو ایک چھوٹی سی فوج دے کر بھیجا۔ اس وقت خپلو کے راجے ''تھورر ژے'' نامی پہاڑ کے سرے پر تھورر ژے کھر نامی قلعہ میں رہتے تھے۔ اس محل سے ذرا نیچے ارد گرد بہت سارے کچے پتھریلے مکانات بنے ہوے تھے۔ لہٰذا جس میں کسی دشمن کے حملہ کی صورت میں خپلو شہر کی پوری آبادی فوراًان مکانوں میں پناہ لیتے اور دشمن کے ہاتھوں تباہی سے محفوظ رہتے۔ عبداللہ خان شاہرخ ابھی نوجوان اور نا تجربہ کار تھا۔ لہٰذا اس نے حالات کا جائزہ لئے بغیر تھورژے کھر قلعہ پر حملہ کرنے کے لئے شہر کی طرف سے کھڑی ڈھلان سے اوپر کو قلعہ کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ جب وہ کچھ فاصلہ طے کر چکے تو اوپر سے خپلو کے لوگوں نے بڑے بڑے گول پتھر ان کے اوپر لڑکانے شروع کئے جس نے سکردو کی فوج کو روند ڈالا' عبداللہ خان شاہ رخ خود بھی بری طرح زخمی ہو کر خپلو کے لوگوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ سکردو کے رہے سہے فوجی جان بچا کر بھاگے اور سکردو پہنچے۔ رگیالفو احمد شاہ کو اپنی فوج کی بربادی اور بھتیجے کی زخمی حالت میں گرفتاری کی خبر سے بہت دکھ پہنچا اور اور اس نے فوراً اپنے ایلچی خپلو مہدی علی خان کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ وہ اپنے زخمی بھتیجے عبداللہ خان شاہ رخ کے وزن کے برابر سونا دینے کو تیار ہے کہ مہدی علی خان اس کے زخمی بھتیجے کو رہا کرے۔ لیکن شومی قسمت سے مہدی علی خان نے اس پیشکش کو نا منظور کیا۔ مہدی علی خان نے زخمی شاہ رخ کو نوبرا میں بھیج کر وہاں ایک قلعہ میں قید رکھا تھا۔ اس نے اپنے آدمی بھیج کر زخمی عبداللہ خان شاہ رخ کے سر میں کیلیں ٹھکوا کر مار دیا۔ جب یہ خبر احمد اشاہ کو ملی تو وہ غضبناک ہوا اور وہ خود ایک فوج لے کر مہدی علی خان کو اس کی سزا دینے خپلو روانہ ہوا۔ جب سکردو کی فوج کھر کو کے مقام پر پہنچی تو خپلو کے لوگوں کو اس حملے کی اطلاع مل گئی اور وہ سارے حسب معمول قلعہ کے نیچے پتھر کے جھونپڑیوں میں چلے گئے۔ رگیالفو احمد شاہ نے اپنی لڑاکا فوج کو خپلو شہر کی طرف بھیجا اور خود اپنے باڈی گارڈ اور نقار چیوں کو لیکر خپلو شہر کے بالمقابل دریائے شیوک کے دائیں جانب ''ژھوغا'' نامی گاوں کے اوپر جو ''لا ستیانگ'' نامی شکار گاہ ہے وہاں چڑھ گیا۔ اپنے لئے ایک پتھر کا کمرہ بنوادیا۔ اس جگہ سے دریا کے دوسری طرف خپلو گاوں اور تھورژے کھر کا قلعہ صاف نظر آتا ہے۔ احمد شاہ نے دیکھا کہ قلعہ کی طرف فوجیں بڑھانا نقصان کا باعث ہو گا۔ کسی طرح مہدی علی خان کو نیچے لانے کا کام ہونا چاہیئے۔ اس نے کچھ سوچ کر اپنے شاہی نقار چیوں کو حکم دیا کہ وہ داستان کیسر کے ترک بادشاہ کے باب میں کیسر اپنے امدادی پریوں کو جس گانے میں حکم دیتا ہے اس کی دھن بجائیں۔ ان شاہی نقار چیوں نے نے اس گانے کو اپنی پوری طاقت سے بجایا کہ دریا کے

---

3 : تحریر: سید محمد عباس کاظمی

دوسری طرف خپلو کے شہر میں موجود سکردو کی فوج نے آواز سن لی اور پہچان بھی گیا کہ کونسے گیت کا دھن بجایا جارہا ہے۔ سکردو کی فوج کا کمانڈر سمجھ گیا کہ اس کا آقا اسے کس بات کا حکم دے رہا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی فوجوں کو حکم دیا کہ خپلو شہر کے تمام مکان و درختان اور فصلات کو جلا کر بھسم کر دیا جائے۔ چنانچہ خپلو شہر میں ہر طرف شعلے ہی شعلے نظر آنے لگے۔ مکان جل رہے تھے درخت جل رہے تھے فصلیں خاک ہو گئی تھیں۔ قلعہ کی بلندی سے خپلو کے مرد عورتوں نے یہ منظر دیکھا تو ایک قیامت بپا ہو گئی۔ انہیں اب اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ لوگوں نے مہدی علی خان پر زور دیا کہ یہ ساری مصیبت اس کی وجہ سے پڑ رہی ہے وہ نیچے جائے اور مردانہ وار سکردو والوں کا مقابلہ کرے ورنہ وہ خود مل کر اسے مار ڈالیں گے۔ آخر کار مہدی علی خان مجبور ہوا اور اپنے فوجی لے کر قلعے سے نکلا اور نیچے شہر میں آگیا جہاں سکردو کے سپاہیوں نے منٹوں میں اسے پکڑ لیا۔ احمد شاہ نے یہ ساری کاروائی اور مہدی علی خان کی گرفتاری لاستیانگ سے دیکھ لی۔ اس کا مشن پورا ہو چکا تھا وہ نیچے کھر کو اترا۔ اس کی فوج بھی مہدی علی خان کو لئے کھرکھو کے مقام پر اپنے آقا سے مل گئی۔ احمد شاہ نے اپنی اس فوج کے کمانڈر وزیر تقی زنگنیپا کو خپلو کا کھرپون بنایا اور مہدی علی خان کو لے کر سکردو پہنچا جہاں اسے قلعہ کھرپوچو کے نیچے ایک اندھے کنویں میں اتارا اور اسے سخت اذیتیں دے کر مروا دیا۔"

مغربی تہذیب کا اصل چہرہ یعنی معاہدہ امرتسر 1846ء

مغربی دنیا انسانی حقوق اور جدیدیت کے وارث ہونے کے دعویدار ہیں لیکن ان کا اصل چہرہ دیکھیں کہ کس طرح انسانوں کے ساتھ برتاؤ کرتا ہے۔ پوری بشریت کا کیسا مزاق اڑاتا ہے:

معاہدہ امرتسر 1846ء[4]

معاہدہ امرتسر جو 16 مارچ 1846 کو دستخط ہوئے معاہدہ لاہور کے تناظر میں لکھا گیا ایک معاہدہ تھا جو سکھ حاکم میاں گلاب چند معروف گلاب سنگھ اور انگریزوں کے مابین ہوا یہ معاہدہ پہلی سکھ انگریز جنگ کے بعد 16 مارچ 1846 کو دستخط ہوا۔ اس معاہدے کی پہلی شق کے مطابق گلاب سنگھ نے دریائے سندھ کے مشرق میں موجود تمام پہاڑی علاقے جبکہ راوی کے مغرب میں موجود علاقے بشمول چھمبا اور لاہول کے علاوہ خرید لیے۔ اس معاہدے کے تحت لاہور کو گوروں کے پاس ہی رہنے دیا گیا۔ یہ بات معاہدہ لاہور کی شق نمبر چھ کے مطابق تھی۔ اس کے تحت گلاب سنگھ کو 75 لاکھ روپے دینے تھے جن میں سالانہ خراج بھی شامل تھے۔ یوں جموں کشمیر کا پورا علاقہ ڈوگرا تسلط میں آگیا۔

4:https://ur.wikipedia.org/wiki/%D9%85%D8%B9%D8%A7%DB%81%D8%AF%DB%81_%D8%A7%D9%85%D8%B1%D8%AA%D8%B3%D8%B1_(1846%D8%A1

پس منظر

پہلی سکھ انگریز جنگ میں سکھوں کے ہار میں گلاب سنگھ کا کردار رہا تھا۔ یوں وہ انگریزوں کے منظور نظر بننے میں کامیاب ٹھہرا۔ نیز خود جموں کا پیدائشی ہونے کے سبب وہ کشمیر پر اپنی حکومت کرنے کا خواب پورا کرنا چاہتا تھا۔

دفعات معاہدہ امرتسر 16 مارچ 1846ء

دفعہ 1: حکومت برطانیہ تمام پہاڑی علاقہ مع دریائے سندھ کے مشرق اور دریائے راوی کے مغرب کا درمیانی علاقہ مع چھمب اور بغیر لاہور کے جو مارچ 1846ء کے معاہدہ لاہور کی دفعہ 6 کے تحت ریاست لاہور کو دے دیا گیا ہے، مہاراجہ گلاب سنگھ اور ان کی اولاد نرینہ کے آزاد قبضے میں تبدیل کرتی ہے۔

دفعہ 2: خطۂ زمین کی مشرقی سرحد، جو مندرجہ بالا دفعہ کے تحت مہاراجا گلاب سنگھ کے نام منتقل ہو گئی ہے، اس مقصد کے لیے حکومت برطانیہ اور مہاراجا گلاب سنگھ کی صرف سے مقرر کردہ کمشنر طے کریں گے۔ اور سروے کے بعد ایک الگ انتظام کے تحت اس کا تعین کیا جائے گا۔

دفعہ 3: مہاراجا گلاب سنگھ اور ان کے وارثوں کے نام مندرجہ بالا دفعات کی رو سے جو انتقال کیا گیا ہے، اس کے معاوضے میں مہاراجا گلاب سنگھ حکومت برطانیہ کو 75 لاکھ روپے (نانک شاہی) ادا کرے گا۔ 50 لاکھ روپیہ اس معاہدے کے شروع ہوتے وقت اور 25 لاکھ روپیہ یکم اکتوبر 1846ء کو یا اس سے قبل ادا کریں گے۔

دفعہ 4: مہاراجا گلاب سنگھ کے ان علاقوں کی سرحدیں کسی بھی وقت حکومت برطانیہ کی مرضی کے بغیر تبدیل نہ ہو سکیں گی۔

دفعہ 5: اگر مہاراجا گلاب سنگھ اور ریاست لاہور یا کسی پڑوسی ریاست کے درمیان میں کوئی تنازع مسئلہ کھڑا ہو تو طے کرنے کے لیے انھیں حکومت برطانیہ کو ثالث مقرر کرنا ہو گا۔ اور حکومت برطانیہ کا فیصلہ ان کے لیے قابل قبول ہو گا۔

دفعہ 6: مہاراجا گلاب سنگھ اور ان کے ورثا اپنی تمام قوت کے ساتھ برطانوی سپاہیوں کے ساتھ شامل ہو جائیں گے، جب وہ پہاڑوں پر یا ان کے مقبوضہ علاقوں کے پڑوس میں مصروف ہوں گے۔

دفعہ 7: برطانوی حکومت مہاراجا گلاب سنگھ کو اندرونی و بیرونی حملہ آوروں سے بچانے میں اس کی معاونت کرے گی۔

دفعہ 8: مہاراجا گلاب سنگھ برطانوی حکومت کی اطاعت قبول کرتے ہیں اور اس اطاعت کی نشانی کے طور پر برطانوی حکومت کو ہر سال ایک گھوڑا، 12 بکریاں اعلیٰ نسل کی (چھ بکریاں اور چھ بکرے) اور تین جوڑے کشمیری شالوں کے پیش کریں گے۔

یہ معاہدہ آج کے روز فریڈرک کیوری اور میجر ہنری منٹگمری لارنس کے ذریعے رائٹ آنریبل سر ہنری ہارڈنگز، گورنر جنرل کے حکم سے برطانوی حکومت اور بہ نفس نفیس مہاراجا گلاب سنگھ کے درمیان میں طے ہوا اور آج کے روز رائٹ آنریبل سر ہنری ہاردنگز، جی سی بی، گورنر جنرل کی مہر ثبت ہو کر منظور ہوا۔

(امرتسر میں آج مارچ کی 16 دن 1846ء عیسوی بمطابق ربیع الاول کے 17 ویں دن 1262 ہجری کو لکھا گیا)

(دستخط)ہنری ہاردنگز (مہر)　　(دستخط)فریڈرک کیوری　(دستخط)ہنری منٹگمری لارنس

معاہدہ امرتسر 1846ء پر علامہ اقبالؒ کا تبصرہ[5]

بادصبا اگر بہ جنیوا گذر کنی　#　حرفی ز ما بہ مجلس اقوام باز گوی

دہقان و کشت و جوی و خیابان فروختند　#　قومی فروختند و چہ ارزان فروختند۔

کھرزن، مالیہ اور لگان

بلتستان میں جمع بندی

جمع بندی ایک ایسا دستاویز ہے جس میں کسی علاقے کی زمین کی تفصیلات درج ہوتی ہیں، جیسے کہ زمین کا رقبہ، مالکان کے نام، اور استعمال کی تفصیلات۔ بلتستان میں جمع بندی کا مطلب عام طور پر کسی علاقے کے تمام دیہاتوں، محلوں، یا دیگر یونٹوں کی زمین کی ملکیت اور دیگر تفصیلات کا ایک جامع ریکارڈ ہے۔ یہ ریکارڈ حکومت کی جانب سے زمین کے معاملات کو منظّم کرنے اور قانونی تنازعات کو حل کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ بلتستان میں جمع بندی کا نظام بھی اسی طرح کام کرتا ہے، جہاں زمین کی ملکیت اور دیگر تفصیلات درج کی جاتی ہیں تاکہ زمین کے معاملات کو منظّم اور قانونی طور پر درست رکھا جا سکے۔ جمع بندی حکومت کو زمین کے انتظام میں مدد کرتی ہے اور یہ زمین کے تنازعات کو حل کرنے میں بھی ایک اہم ذریعہ ہے۔ تاریخی لحاظ سے 1840ء میں زورآور سنگھ نے بلتستان پر حملہ کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی بلتی ریاست کا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن 12 دسمبر 1841ء کو زورآور سنگھ قتل ہو گیا تو احمد شاہ نے بلتسان میں بغاوت کرا دی۔ مگر آزادی کی یہ جدوجہد کامیاب نہ ہو سکی اور بلتستان واپس 1842ء میں ڈوگرہ حکومت کے قبضے میں چلا گیا۔ بلتستان میں ڈوگرہ حکومت 1948ء تک رہی۔ ڈوگروں

---

5 : کتاب جاوید نامہ، در حضور شاہ ہمدان. "بادصبا! اگر جینوا سے گزرو تو مجلس اقوام (سابقہ اقوام متحدہ) کو میرا پیغام دینا کہ کسان، کھیت، نہر اور راستے سب فروخت کر دیا۔ ایک قوم کو فروخت کیا۔ کتنا سستا فروخت کر دیا۔" 1846 کا بدنام زمانہ "امرتسر معاہدہ" جس میں انگریزوں نے ریاست جموں و کشمیر کو راجہ گلاب سنگھ جموں کو پچھتّر لاکھ (75،00،000.00) نانک شاہی سکوں کے عوض بیچ دیا۔ جس کی طرف علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

نے بلتستان پر 108 سال حکومت کی۔

بلتستان اور پاکستان

14اگست کو جب پاکستان وجود میں آیا تو گلگت میں راجا خان اور کرنل مرزا حسن خان کی سرکردگی میں انقلاب آیا جس کو دیکھ کر بلتستان کے لوگوں نے بھی ناجائز ڈوگرہ حکومت کے خلاف آواز بلند کی۔ چنانچہ گلگتیوں کی مدد سے بلتیوں نے 14اگست1948 ء کو مکمل آزادی حاصل کی۔ نومبر 1948ء تک پوریگ تک کا سارا علاقہ آزاد کرالیا گیا۔ لیکن 1971 میں بھارت نے ان علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ بلتستان کی آزادی کے فورا بعد بلتیوں نے پاکستان کے ساتھ اپنا الحاق کر لیا۔ 1972ء تک بلتستان کو پاکستان کی وفاقی حکومت کے زیر انتظام ایک ضلع کی حیثیت حاصل رہی ۔ 1972ء میں پاکستان کے اس وقت کے صدر ذوالفقار علی بھٹو نے بلتستان کے دو اضلاع ضلع گانچھے اور سکردو بنا دئے گئے۔ 2009ء میں پیپلز پارٹی کی حکومت نے گلگت بلتستان کو صوبائی طرز کی حثیت دے دی۔ 2013 میں جب پاکستان مسلم لیگ (ن) کی حکومت آئی تو مزید دو اضلاع ضلع کھرمنگ اور ضلع شگر کا اضافہ کیا گیا۔

شرعی فیصلہ

شرعی فیصلہ

مدعیان : راجہ صاحبان (بمختاری کاچو ایلیا خان)

مدعا علیہم : اہالیان شغر تھنگ گونگمہ ژونگ، ستق چن اور ژھوق (فرول)

دعویٰ : ملکیت شرعی زمین موضع شغر تھنگ (بشمول اراضی موات و مراتع)

اس نزاع میں مدعیان کا دعویٰ ہے کہ موضع شغر تھنگ نسل در نسل ان کی آبائی ملکیت ہے۔اور ہمارے آباء واجداد نے مدعا علیہم کے آباء واجداد کو دیگر علاقوں مثلاً گلتری، پوریک اور دیگر علاقوں سے لا کر زمین کاشتکاری دے کر بسائے ہیں۔اس لئے آج بھی ان کے کچھ افراد کو پوریک پا اور گلتری پا وغیرہ کہہ کر پکارتے ہیں۔اور ہمارے آباء واجداد وہاں کے عوام سے بعنوان کاشتکار لگان لیتے تھے۔ لیکن 1972ء میں پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت نے نظام جاگیرداری کے خاتمے کا اعلان کیا ۔اس زمانے سے لے کر اب تک مدّعا علیہم نے ہمیں لگان روکا ہوا ہے۔البتّہ سرکاری مقاصد کیلئے استعمال ہونے والے اراضیات کا معاوضہ، بحیثیت مالکان، مدعیان بدستور آج تک وصول کر رہے ہیں۔

اس کے جواب میں مدعا علیہم کہتے ہیں کہ ہمارے آباء واجداد موضع شغر تھنگ میں کئی صدیوں سے آباد ہیں اور اس علاقے پر قابض ہیں۔ آزادی سے پہلے ڈوگروں کی حکومت تھی وہ عوام سے مالیہ اور لگان لیتے تھے۔ جس کو1972ء میں ذوالفقار علی بھٹو نے گلگت بلتستان کے عوام کو معاف کر دیا۔ اس کے بعد سے ہم نے مالیہ اور لگان دینا بند کر دیا ہے۔ باقی سرکاری معاوضات کے بارے میں عرض ہے کہ کچھ معاوضات کو ہماری اطلاع کے بغیر لیا ہے، لیکن کچھ کو ہم نے اعتراض کر کے روکا ہوا ہے۔

اس نزاع میں مندرجہ ذیل موارد پر فریقین کا اتفاق ہے :

۱) مدعیان 1972ء سے پہلے لگان لیتے تھے۔

۲) طرفین کے درمیان سرکاری دستاویزات میں مذکورہ حیثیت کے سوا کوئی شرعی یا قانونی معاہدہ یا قرارداد نہیں ہے۔

۳) سرکاری دستاویزات کے مطابق مدعیان ایک معین مقدار میں لگان لیتے تھے۔

۴) سرکاری دستاویزات کی رو سے 'کاشتکاری کے شرائط پر عمل کرنے پر' مدعیان کو زمین چھیننے کا حق نہیں ہے۔

۵) اس قرارداد کی کوئی مدت معیّن نہیں ہے۔

۶) قانون کے مطابق 1963ء تک خواتین وراثت میں حصہ دار نہیں تھیں۔ 1963ء کے بعد یہ قانون کالعدم ہوا ہے۔ اور اسلامی وراثت کا قانون نافذ ہوا۔

شرعی لحاظ سے :

اوّلاً : شریعت میں مدّعی پر بیّنہ ہے اور منکر پر قسم۔

ثانیاً : ید[قبضہ] امارہ ملکیّت ہے۔

ثالثاً : تحریری دستاویزات جو ان کو تسلیم کرتا ہے اس کا اقرار شمار ہوتے ہیں بیّنہ نہیں۔

رابعاً : شرعی اجارہ کیلئے مدت کی تعیین ضروری ہے۔ ورنہ عقد اجارہ باطل ہے۔

خامساً : شرعی اجارہ میں اجیر یا مستاجر یا موجر کی موت کی صورت میں، بلا تفریق جنس، ان کے شرعی وارث جانشین بنتے ہیں۔

سادساً : شرعی اجارہ صرف ان چیزوں پر لگتا ہے جن کے موجر مالک ہوں۔

سابعاً : شرعی اجارہ صرف ان چیزوں پر لگتا ہے جن کے منافع سے مستاجر فائدہ اٹھائے۔

در نتیجہ :

۱) اس نزاع میں مدعی کی ملکیت کی تنہا شرعی دلیل لگان ہے۔ جو ان کی نظر میں وہی شرعی اجارہ ہے۔ جیسا کہ مدعی نے مراجع عظام سید علی خامنہ ای دام عزہ، شیخ مرزا جواد تبریزی رح، شیخ محمد فاضل لنکرانی رح، سید محمد رضا گلپایگانی رح اور شیخ لطف اللہ صافی گلپایگانی رح سے اسی عنوان سے استفتاء کیا ہے۔ جبکہ لغت اور عرف میں لگان شرعی اجارہ سے عام ہے۔ یعنی لگان شرعی اجارہ پر بھی صادق آسکتا ہے۔

۲) لگان عرف اور لغت میں شرعی اجارہ کے معنی میں ہی کیوں نہ ہو لیکن اس نزاع میں 'خاص طور پر' لگان کی قانونی خصوصیات کی وجہ سے وہ شرعی اجارہ نہیں ہے۔ یہی بات امام خمینیؒ اور آیت اللہ العظمیٰ سید ابوالقاسم خوئیؒ کے استفتاء اور اس کے جواب میں بھی مذکور ہے۔

۳) جن زمینوں پر دعوا ہے ان میں سے اکثر، یعنی مراتع اور اراضی موات، مدعا علیہم کے قبضے میں ہی نہیں کہ وہ ان کا اجارہ ادا کریں بلکہ دوسروں کی شرعی ملکیت یا ان کے قبضے میں ہیں۔

لہٰذا شرعی اجارہ ثابت نہیں جو ملکیّت کی شرعی دلیل ہے۔ پس مدعا علیہم کی ید[قبضہ] کی وجہ سے وہ شرعاً مالک ہیں۔ لہٰذا مدعا علیہم میں سے حاضر افراد نے قسم کھائیں اور ان کے حق میں فیصلہ ہوا اور طرفین کے مختاروں کے حضور سنایا گیا۔

وَالسَّلام علیٰ من اتّبع الہُدیٰ

سید محمد علی موسوی

موسس علماء کونسل کچورا۔

۰۹ رمضان المبارک ۱۴۴۳ق ۔ بمطابق 11 اپریل 2022ء

استفتاء ات از امام خمینیؒ اور آیت اللہ العظمیٰ ابوالقاسم الخوئیؒ[6]

نزد بعضی اشخاص زمین زراعتی است کہ از آباءواجداد بہ آنہا رسیدہ وآباءواجداد آنہا از آباء واجداد راجگان گرفتہ بودند۔ و بہ راجگان مالیات میدادند تابحال۔ ولی چون حکومت مستقل راجگان واپس گرفتہ بدیگری دادن اختیار ندارند بجہت ممنوع بودن از طرف حکومت۔ بلی اگر نوبت بہ اناث برسد راجہ را حق است کہ از آنہا بگیرہ و بدیگری بدھد واما از ذکور گرفتن ممنوع است از طرف حکومت۔ وحالات اولی ھردو را معلوم ندارند نہ راجہ گان را نہ کارند گان را۔ کہ زمین موات خود راجہ گان احیاء کردہ دادند بہ کارندگان۔ یا از کسانی غصباً گرفتہ بہ آباءواجداد کارندگان دادہ یا آباء وجداد کارندگان احیاء نمودہ۔ آیا با این فرض ملک راجہ گان است یا ملک کارندگان؟ وکدام یک را حق است؟ و فروختن و ھبہ کردن می تواند یا نہ؟ لطفاً جواب فرمائید۔

آیت اللہ خوئیؒ : درفرض سوال ملک کارندگان شمردہ میشود۔ واللہ العالم ۱۰ج۲۔۱۴۰۰ق

---

6 : ترجمہ از مولا ابراہیم بہشتیؒ : محضر مبارک آیت اللہ العظمی سید روح اللہ خمینیؒ وآیت اللہ العظمیٰ سید ابوالقاسم الخوئیؒ : (اردو ترجمہ) بعض افراد کے پاس زراعت کی زمینیں ہیں۔ جو کہ ان کے آباو اجداد سے ملی ہیں۔ اور انہوں نے راجہ گان کے آباو اجداد سے لی ہے اور راجہ گان کو مالیات بھی تا حال دیتے ہیں۔ اور جب سے حکومت مستقل قائم ہوئی ہے راجہ گان کو واپس لے کر کسی کو دیے کا حق نہیں ہے۔ اور حکومت کی طرف سے دوسرے کو دنیا ممنوع قرار دیا ہے۔ اما اگر یہ جائیداد کسی خاتون تک پہنچ جائے راجہ گان اس سے لیکر کسی دوسرے کو دینے کا حق رکھتے ہیں. اما حکومت کی طرف سے اولاد ذکور سے لینے کا حق نہیں رکھتے ہیں۔ اما ان جائیداد کی ابتدائی حالت کو دونوں نہیں جانتے۔ نہ راجگان جانتے ہیں اور نہ ہی زمین جن کے ہاتھوں میں ہیں وہ بھی نہیں جانتے کہ مردہ زمینوں کو آباد راجگان نے آباد کیا ہے یا قابضین نے آباد کئے ہیں؟ یا کسی نے غصباً لے کر قابضین کو دیا ہے؟ ان حالات میں یہ زمین کیا راجگان کی ملکیت ہوگی یا قابضین مالک ہونگے؟ کسی کو ان زمینوں کو بیچنے کا یا ہبہ کرنے کا حق رکھتا ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔ (۱) جواب آیت اللہ الخوئیؒ : اس سوال کے مطابق ان زمینوں کا مالک قابضین ہونگے؟ (۲) جواب آیت اللہ خمینیؒ : اس سوال کے مطابق وہ لوگ مالک ہونگے جو قابض ہیں اور کاشت کرتے ہیں۔ مترجم : شیخ محمد ابراہیم [بہشتی] جامع منصوریہ سکردو۔

سید روح اللہ خمینیؒ : در فرض مسئاله زمین محکوم بملکیت است برای کسانی که ید بر آن دارند و آن را کشت میکنند۔

شرعی فیصلے پر مدلل تبصرہ بلتستان۔ بنام راجگان۔ اہالیان موضع شغر تھنگ [7]

آج کل بلتستان کے کچھ علاقوں میں ایک نزاع نے سر اٹھایا ہوا ہے جہاں سابقہ کچھ معزول راجہ صاحبان کچھ علاقوں کی زمینوں کی ملکیت کے دعوے دار ہیں اور ان علاقوں کے باشندگان کا جینا مشکل کیا ہوا ہے اور ان کے مالی حقوق پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں ۔ کہاجاتاہے کہ راجہ صاحبان خود عوامی نمایندے اور سرکاری عہدوں پر فائز ہیں اور اپنی طاقت اور سرکاری مشنری کے استعمال سے غریب اور بے چارہ عوام پر عرصہ حیات تنگ کئے ہوے ہیں۔ اور اپنی سابقہ راجہ گیرانہ سوچ کے بل بوتے پر بلتستان کی عوامی زمینوں پر ناجائز طریقہ سے قبضہ کرنے کے خواہش مند ہیں اور عوام پر اپنی راجگانہ غلامی کا طوق پہنانے کا مذموم ارادہ رکھتے ہیں۔ یقینا ایسے لوگ شریعت کے پابند نہیں ہوتے بلکہ اپنی موجودہ حیثیت اور سرکاری پشت پناہی میں ہر قسم کی جعل و نقل کے ذریعہ عوام پر حکومت کرنا چاہتے ہیں اور ان کے حقوق کو دادہ گیری کے ذریعہ چھیننے کو اپنی کامیابی اور طاقت کی نمائش سمجھتے ہیں۔ آئے میں پہلے آپ کو راجہ کا معنی سمجھاتا ہوں۔

راجہ کسے کہتے ہیں۔

1 ۔ راجہ سنسکرت زبان کا ایک لفظ ہے۔ جو بادشاہ کا معنی دیتاہے۔ یہ ایک لقب ہے جسے ہندو اپنے بادشاہوں' شاہزادوں کو دیتے ہیں ۔ آہستہ اس لقب کو پھلایا گیا اور قبائلی سرداروں اور وڈیروں کو بھی راجہ کہنے لگے ۔ یہ ہندوانہ لقب ملیشیا کے حکمرانوں' قبائلی سرداروں اور وڈیروں کو بھی دیا جاتا تھا۔ مہاراجہ سب سے بڑے شہنشاہ کو کہا جاتا ہے بعد میں حکومت برطانیہ کے دور میں ہندو شاہزادوں کو بھی راجہ کا عنوان دیا گیا۔ یہ لفظ ہندوستان میں رائج ہے۔ [8]

2 ۔ لغت نامہ دہخدا میں راجہ کی تعریف کچھ اس طرح کی ہے راجہ' ہندوانہ لفظ ہے۔ یہ لقب ہوا کرتا ہے ایسے شخص کے لئے جو ہندستان کے کچھ علاقوں پر حکومت کرتا ہو۔ مثلاً ناظم الاطباء' لقب ہے جو ہندوستان کے کچھ علاقوں پر حکومت کرتا تھا مثلاً راجہ میسور' راجہ اللہ آباد' راجہ جے پور' راجہ جادی رام' راجہ داہر جو سند پر حکومت کرتا تھا وغیرہ وغیرہ۔ میرزا راجہ جو ہندستان کے معروف راجاؤوں میں سے تھا۔ محمد شاہ جہان جو شاہ جہان آباد کے راجہ تھے۔ [9]

---

7 : مولانا ایوب صابری کراچی 01/08/2022 : یہ مقالہ اس سے پہلے ایک بار سوشل میڈیا کی زینت بن چکا ہے۔ بعض علماء کی فرمائش پر نظر ثانی کرنا پڑا اور مزید کچھ مطالب میں اضافہ کیا جاچکا ہے اور بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کی ہے۔ اب نظر ثانی شدہ نسخہ قارئین محترم کی خدمت میں حاضر ہے۔

8 : حوالہ wikijoo۔ راجہ۔

9 : مزید تفصیلات کے لئے نسخہ دیوان راجہ۔ 1151. بنگالہ میں لکھی جاچکی ہے۔ الذریعہ قسم ۔2۔ جزء 9۔

اب جبکہ آپ کسی حدتک راجہ کے معنی سے آگاہ ہوئے تو یہ معلوم ہوا۔ راجہ کوئی اسلامی ، فقہی ،اصولی ،قرآنی اور حدیثی نام نہیں ہے۔ بلکہ ایک ہندوانہ لقب ہے جو اپنے حکمرانوں ، سرداروں ،رؤسائے قبائل کو دیا کرتے ہیں۔ کیوں کہ گلگت بلتستان بھی بد قسمتی سے ہندوستان کا حصہ اور علاقہ تھا وہاں کی آبادی ہندو نہ ہونے اور مسلمان ہونے کے باجود اس ہندوانہ ثقافت سے متاثر ہوئی بغیر نہ رہ سکی۔ اور اپنے قبیلے کے سردار ،بزرگ ،لیڈر ،وڈیرہ کو بھی راجہ کہنے لگے۔البتہ اگر راجہ کی بیوی ، یا کوئی اور عورت ،قبیلے کی سردار ہو تو ہندو اسے رانی ، مہارانی یا راج کماری کہتے ہیں۔ گلگت بلتستان کے علاقوں کے مختلف راجہ ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے آپس میں علاقے تقسیم کیے ہوئے تھے اور ہر علاقے کا ایک راجہ ہوا کرتا تھا۔ یہ راجہ گان اپنے اپنے علاقے کے ظالم ، آمر اور ڈکٹیٹر بنے ہوئے تھے اور پورے علاقے کے سیاق وسباق کو اپنی ملکیت سمجھتے تھے اور لوگوں سے ظلم وجور ، دھونس اور دھمکی کے ذریعہ ان کے منقولہ اور غیر منقولہ اموال سے جبری مالیات اور ٹیکس ، وصول کرتے تھے۔ اور نہ دینے والوں کو عقوبت خانوں میں شکنجہ کرتے اور ظلم وجور کی انتہا تھی۔ یہ سلسلہ جاری تھا ذوالفقار علی بھٹو کے زمانے تک اور بھٹو صاحب نے قانونی اور آئینی طریقے سے راجہ گیری ، اور وڈیرہ شاہی کو ختم کیا اور دیگر علاقوں کی طرح گلگت بلتستان کے عوام کو بھی سکھ اور چین کے ساتھ جینے کا موقع ملا اور راجہ گیری سے آزادی نصیب ہوئی۔ اب تک یہ سلسلہ قائم ہے۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے سے بلتستان کے کچھ علاقوں کے سابقہ راجہ گان نے پھر سے اپنی دادہ گیری شروع کی ہے اور ہزاروں سال پہلے سے آباد لوگوں کی زمینوں پر قبضہ اور ادعائی ملکیت شروع کیا ہوا ہے اور ہو سکتا ہے ان کو پولیس اور سرکار کی بھی پشت پناہی بھی حاصل ہو۔ اب یہاں پر اس مقالے میں کوشش کرینگے کہ دیکھیں کہ راجہ گان کا یہ دعوی ملکیت کس قدر شرعی اور اسلامی معیارات پر اترتا ہے یا نہیں۔

کسی بھی زمین کی ملکیت ثابت کرنے کے لئے یہ چہار شرعی اسباب کا ہونا لازم ہے :

1 ۔احیاء یعنی مدعی ملکیت : یہ ثابت کرے یہ زمیں پہلے غیر آباد ، بنجر ، پتھریلی ، شور اور نمکزار تھی۔ میں نے اسے آباد کی اور قابل کاشت بنایا ، نہر بنایا یا پانی پہنچایا شجرہ کاری کی۔ وغیرہ وغیرہ۔

2۔ ادعائی وراثت کرے ، مثلا کہے یہ زمین میرے باپ دادا یا اجداد کی تھی وہ ان زمینوں پر آباد تھے اور نسل در نسل ہم تک پہنچی ہے اور اس وقت ہم بعنوان وارث اس زمیں کے مالک ہیں۔

3۔ اخذ بالشفعہ جو فقہی ایک قانون ہے۔ مدعی ثابت کرے میں اس زمین کا مالک ہوں بسبب اخذ بالشفعہ یہ طریقہ ہے ثبوت ملکیت کا۔ اس میں تفصیلی گفتگو نہیں کروں گا کیوں کہ عوام کی سمجھ سے بالاتر ہے۔

4۔ وثیقہ ، معاہدہ ، عقد ، بیع وشرا۔ یہ چوتھا اور اخری طریقہ ہے ملکیت زمین ثابت کرنے کے لئے۔

اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ مدعی ملکیت زمین یہ ثابت کرے کہ یہ زمین میں نے کسی شخص سے شرعی طریقے سے تمام شرائط بیع وشراء کو مد نظر رکھتے ہوئے خریدا ہے اور اس کا تحریری معاہدہ مع گواہان میرے پاس موجود ہے۔ اور اگر تحریری معاہدہ موجود نہ ہو باہمی اعتماد اور بھروسہ پر خرید فروخت کی ہو تو گواہ لائیں اور اگر گواہ نہ ہو تو ید یعنی قبضہ اثبات ملکیت

کے لئے کافی ہے۔ قبضہ سے مراد یہ ہے زمین اس وقت مشتری کی تصرف میں ہو وہ آباد کر رہا ہو کاشت ' زراعت اور پھل فروٹ زمین کا محصول اس کے ہاتھ میں ہو تو یہ دلیل ملکیت ہے۔

اس گفتگو کا نتیجہ یہ ہوا گلگت بلتستان کے راجہ صاحبان جن زمینوں کی ملکیت کے مدعی ہیں ان کا یہ دعوا باطل ہے۔اس لئے کہ مرا تعلق خود اس علاقہ سے ہے۔ راجہ گان کے پاس ان چہار شرعی اسباب ملکیت میں سے کوئی ایک بھی نہیں ہے۔ لہٰذا جن زمینوں کے وہ مدعی ہے وہ اس زمین کے مالک نہیں ہے۔ بلکہ اس زمین کے مالک اھل علاقہ ہیں کیوں کہ ڈوگراراج سے پہلے سے یہ لوگ وہاں آباد تھے۔ البتہ ڈوگراراج اھل علاقہ سے مالیات اور ٹیکس جبری ناجائز طریقے سے وصول کرتے تھے اپنی حکومت چلانے کے لئے۔اور راجہ گان شاید ان کے سہولت کار اور ایجنٹ تھے۔ڈوگراراج ختم ہونے کے بعد انہی راجہ گان نے ڈوگراراج کے سسٹم کو جاری رکھا اور اھل علاقہ سے خود مالیات اور ٹیکس یا لگان جبری وصول کرتے رہے۔

یہ مالیات یا لگان کسی صورت میں اجارہ کی تعریف میں شامل نہیں ہے۔ اجارہ کے لئے مذکورہ بالا چار طریقوں سے ملکیت ثابت کرنا ضروری ہے پھر اجارہ پر دیا اور لیا جاسکتا ہے جبکہ ملکیت ہی ثابت نہ ہو تو پھر اجارہ بطریق اولی ثابت نہیں ہوتا۔

فتاوای فقہائے شیعہ

یہاں پر میں فقہائے شیعہ (رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین) کے کچھ نظریات اور فتاوا نقل کرتا ہوں :

فقہائے اسلام نے مختلف زوایا سے زمینوں کی کچھ تقسیمات کی ہیں :

(۱) شیخ اعظم شیخ مرتضی انصاریؒ صاحب رسائل اور مکاسب نے زمینوں کی تین قسمیں کی ہے :

1۔ مسلمانوں کے امام کی زمین۔

2۔ تمام مسلمانوں کی زمین۔

3۔ خصوصی زمینیں۔

یہاں پر میں صرف اس زمین کی وضاحت کروں گا جو امام کے ساتھ مخصوص ہے اور اس زمین کا تعلق کس طرح باقی افراد سے جوڑ دیا جاسکتا ہے۔

شیخ صاحب کتاب مکاسب[10] اور کتاب خمس میں ان زمینوں کے احکام کچھ اس طرح بیان فرماتے ہیں :

الثاني: ما كانت عامرة بالأصالة، أي لا من معمر والظاهر أنها أيضا للإمام عليه السلام وكونها من الأنفال۔

''وہ آباد زمینیں جن کی آبادی میں انسانوں کا کوئی عمل دخل نہ ہو بلکہ [خود] ذاتاً آباد ہو مال امام اور انفال میں سے ہے۔''

(۲) محقق نراقی[11] فرماتے ہیں :

10 : مکاسب/161۔المکتبۃ الشاملۃ ج۵ ص۸

11 : مستند الشیعہ۔ج..2/92

وهي الاراضي المملؤة من القصب وسائر الاشجار الملتفة المجتمعة، والمراد منها: ما يقال بالفارسية: بيشه. فإن كل ذلك من الانفال.

"وہ زمینیں جو جنگل اور درختوں سے بھری پڑی ہو انفال اور مال امام ہے۔"

علامہ حلیؒ نے اس بات پر اجماع علماء کا ادعا کیا ہے۔اور فرماتے ہیں:

ارض الانفال .. رؤس الجبال وبطون الاودية ومابهما والاجام .. هذاكلها للامام خاصة يتصرف فيها كيف شاء عند علمائنا اجمع ۔[12]

"انفال میں سے ہے پہاڑوں کے چٹان ، محل سیلاب ، بیابان ، ان کے حدود ، نئ زار یہ سب کے سب امام کے ساتھ مخصوص ہے جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے۔ اور اس مسئلہ پر تمام امامیہ علماء کا اجماع ہے۔"

اس مطلب پر کوئی اختلاف نہیں ہے اور شیخ صاحب فرماتے ہے کہ اس مطلب پر روایات بھی دلالت کرتی ہیں۔

داوود بن فرقد کہتے ہے میں نے امامؑ سے پوچھا ، انفال کسے کہتے ہیں؟

حضرت امامؑ نے جواب دیا۔

بطون الاودية ورؤس الجبال والاجام ۔

"بیابان ، محل سیلاب ، پہاڑوں کے چٹان ، نئ زار اور جنگلات (انفال میں سے ہیں)"

ابو بصیر کہتا ہے: امام جعفر صادقؑ فرماتے ہے:

لنا الانفال ۔

"انفال ہمارا ہے۔"

ابو بصیر کہتا ہے کہ میں نے امامؑ سے پوچھا انفال کیا چیز ہے۔امام۔ع۔ نے فرمایا:

منهاالمعادن والاجام وكل ارض لارب لها وكل ارض باداهلها، فهولنا ۔

"معدنیات ، نئ زار ، جنگلات اور وہ زمین جس کے مالکوں نے اسے چھوڑ دیا ہو (انفال میں سے ہیں)۔"

دونوں روایات کا مدرک وسائل الشیعہ ہے۔

شیخ انصاری پھر یہاں پر فرماتے ہے:

فقد ورد فى غيرواحد من الروايات ان الارض التى لا رب لهامن الاانفال وظاهرها يشمل ماكانت حية من غير احياء قابلة للانتفاع .. ويؤيده عموم مادل على ان الارض كلها للامام ـ ع۔[13]

بہت ساری روایتوں میں آیا ہے۔ وہ زمینیں جن کا کوئی مالک نہ ہو انفال میں شامل ہے۔ روایات سے ظاہر ہوتا ہے وہ

12 : تذکرہ۔ج 402/2

13 : شیخ انصاری: کتاب الخمس؛ مؤسسہ آل البیت قم

زمین بغیر احیاء از خود سے آباد کاری کے قابل ہو یہ بھی انفال میں داخل ہے۔ بلکہ عمومی روایات جو دلالت کرتی ہے تمام زمینیں امام کی ہے ہمارے اس مطلب کی تائید کرتی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ہر وہ زمین چاہے آباد ہو یا غیر آباد اگر مالک نہ ہو تو امام کی ہے۔ اور اس حکم سے خارج ہوتی ہیں وہ زمین جس کا مالک اور صاحب ہو وہ اسی شخص کی ملکیت ہے کسی دوسرے شخص کو شرعاً اس زمین پر کسی قسم کا حق تصرف نہیں ہے۔ اس کے بعد پھر شیخ انصاری فرماتے ہیں :

ثم ان بعضهم ذكرمن الانفال سيف البحار . بكسر السين . اى ساحلها . ولم اقف على دليل يدل عليه بالخصوص فاالواجب الرجوع فيه الى العمومات۔[14]

بعض فقہانے فرمایاہے سواحل دریا بھی جزء انفال میں سے ہے۔ لیکن مجھے اس مطلب پر دلالت کرنے والی کوئی دلیل نہیں ملی۔ لہٰذا اس مورد میں عمومات ادلہ کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ پھر شیخ صاحب کچھ عمومات کا ذکر کرتے ہیں :

ان كان موتا فهو للامام .ع. وان كانت حية بمعنى قابليتها للانتفاع بها لقربه من البحر فيسقى ذرعه من جهة عرقه او بمد منها فى غير واحد من الاخبار . كل ارض لارب لها . . مضافا الى عموم مادل على ان الارض كلها للامام .[15]

تمام غیر آباد زمینیں امام کی ہے اور اسی طرح امام۔ع۔ کی ہے وہ غیر آباد زمینیں جو دریا کے قریب ہونے کی وجہ سے قابل استفادہ ہو یا اس کی جڑھیں پانی کے قریب ہونے کی وجہ سے قابل کاشت ہو یا دریا موج زن ہونے کی وجہ سے پانی زمین کی طرف بہتا ہو اور فصل کی آبیاری ہوتی ہو۔ اس مطلب پر اضافہ کرے عموم روایات کو جو دلالت کرتی ہیں ساری زمین امام کی ہے اور یہ مطلب ایک سے زیادہ روایتوں میں آیا ہے کہ ہر وہ زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو امام کی ہے۔

اراضى المفتوحة العنوة:

1۔ اگر کفار بغیر جنگ کے اپنی زمین چھوڑ کر بھاگ جائے۔

2۔ وہ تمام اموال چاہے زمین ہو یا غیر زمین۔ ان کو۔فئی۔ کہاجاتاہے۔ یہ اموال بھی امام معصوم کے ساتھ مخصوص ہے۔

اسی طرح وہ زمین کافر اپنی مرضی سے چھوڑ کر چلے گئے ہو۔۔فئی۔۔ میں شامل ہے اور عنوان انفال میں داخل ہے۔ یہ آیہ شریفہ دلالت کرتی ہے۔

ما افاءالله على رسوله منهم فما او جفتم عليه من خيل ولاركاب[16] ..

مطلب یہ ہے کہ جو مال بغیر جنگ وجدال ہاتھ آئے امام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور مال غنیمت نہیں ہے کیوں کہ کوئی

14 : شیخ انصاری: کتاب الخمس۔
15: شیخ انصاری: کتاب الخمس۔
16: سورہ حشر

جنگ نہیں ہوئی اور نہ تم نے کوئی محنت سے حاصل کیا ہے۔ پس یہ مال بھی امام کا ہے جہاں چاہے وہ خود خرج کرے۔ شیخ انصاری پھر اس زمین کو بھی انفال میں شامل کرتے ہے اور امام معصوم کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہوے فرماتے ہیں کہ اس مطلب پر ہمارے علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

منهاالارض التی ملکت من الکفار من غیرقتال سواء انجلوا عنها او مکنوا المسلمین منها وهم فیها کالبحرین والظاهر انه لاخلاف فی کون ذلك من الانفال [17]

مال انفال میں شامل ہے وہ زمین جو کفار سے ہاتھ آجائے بغیر جنگ کے چاہے انہوں نے چھوڑ دیا ہو، یا اپنی مرضی سے امام کے اختیار میں دیا ہو۔

صاحب جواہرؒ لکھتے ہیں۔

الارض التی تملك من غیر قتال ولم یوجب علیها بخیل ولا رکاب .. سواء انجلی .. علیها.. اهلها واسلموا .. للمسلمین .. طوعا... وهم فیها بلاخلاف اجده بل الظاهرانه اجماع۔[18]

وہ زمین انفال میں شامل ہے جو بغیر جنگ کے مسلمانوں کی ملکیت میں آئی ہو۔ اب اس میں کوئی فرق نہیں ہے وہ اپنی زمینوں کو چھوڑ کر چلے گئے ہو، یا اپنی مرضی سے مسلمانوں کے حوالہ کیا ہو، اس مسئلے میں کوئی مخالف مجھے نہیں ملا بلکہ مسئلہ اجماعی ہے۔ شیخ انصاری ۔۔لاخلاف۔ پر اضافہ کرتے ہوے فرماتے ہے اس مسئلہ پر کچھ روایات بھی دلالت کرتی ہے۔

روایت 1۔

الانفال مالم یوجف علیه بخیل ولا رکاب او قوم صالحوا او قوم اعطوا بایدیهم وکل ارض خربة وبطون الاودیه فهو لرسول الله (ص) وهو للامام من بعده یصنعه حیث شاء ۔[19]

وہ زمین جس پر قبضہ کرنے کے لئے مسلمان گھوڑوں پر سوار نہ ہوے ہو، یا کافروں نے مسلمانوں کے ساتھ صلح کے ذریعہ مسلمانوں کو بخشا ہو، اسی طرح مسلمانوں کی وہ زمین جو خراب ہو چکی ہو، سب کی سب رسول خدا اس کے بعد امام کی ملکیت ہے جیسا چاہے اسے استعمال میں لائیں۔

روایت۔2۔

ماکان من ارض لم یکن فیهاهراقة دم او قوم صولحوا واعطوا بایدیهم وماکان من ارض خربة او بطون اودیة فهذا کله من الفیء والانفا۔[20]

---

17 : شیخ انصاری: کتاب الخمس۔

18 :۔جواھر الکلام۔

19 : وسائل الشیعہ شیخ حر عاملی

20 : وسائل الشیعہ اور تہذیب الاحکام

وہ زمین جو بغیر خون ریزی کے قبضہ میں آئی ہو ' یاوہ زمین بطور صلح اپنے اختیار سے بخشش کی ہو 'خراب زمینیں ' محل سیلاب 'سب کے سب انفال فیٔ میں سے ہے۔

قطایع ملوک وامراء

زمین کی اقسام میں سے ایک اور قسم جو امام کے ساتھ مخصوص ہے بادشاہون کے قطائع ہے۔ قطائع کی تعریف جیسا کہ علامہ مجلسی نے کی اور شیخ وغیرہ نے اس تعریف کو قبول کیا ہے یہ ہے۔کافر سلاطین اور بادشاہوں سے مخصوص زمین مراد ہے۔ ان زمینوں کا مالک امام ہونے میں ہمارے علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔[21]

شیخ انصاری قطایع ملوک کے سلسلے میں فرماتے ہے :

وضابطهافی المعتبروالمنتهی والمدارك وظاهرالمسالك مایختص به ملكهم من الاراضی وغیرهاوبهذا التعمیم ورد الروایات۔[22]

قطایع یعنی وہ اموال جو ملوک یا بادشاہوں کے ساتھ مخصوص ہو کتاب معتبر 'المنتھی 'المدارک 'ظاہر عبارت مسالک سے ظاہر تاہے چاہے زمین ہو یا غیر زمین سب کے سب انفال ہے اور امام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور عموم روایات بھی اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں۔ اور صاحب جواہر فرماتے ہے۔ اس بات ہمارے علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔اعائی عدم اختلاف کیاہے۔[23]اور بھی روایات اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں مثلًا :

قطایع الملوك كلها للامام ولیس للناس فیها شیء ۔[24] **وكل ارض خربة او شیء یكون للملوك فهو خالص للامام ولیس للناس فیها سهم ۔**[25]

تمام خراب شدہ زمینیں اور ہر وہ چیز جو باشاہوں کے ساتھ مخصوص ہو سب کے سب امام کے لئے ہیں۔ باقی افراد کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے 'اور تمام شیعہ فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے۔

ذاتاً غیر آباد زمینوں کا حکم۔

مثلا میدان 'وہ صحراء جو پانی اور گاس بوس نہ ہو 'اس مسئلہ میں شیعہ اور سنیوں کے درمیان اختلاف ہے۔اہلسنت فقہاء

21 : ملاذ الاخبار علامہ مجلسی ۔ج6ص383۔
22 : شیخ انصاری :کتاب الخمس۔
23 : جواھر الکلام ج۔16ص123
24 : وسائل الشیعہ ج۔6۔ص366.
25 : وسائل الشیعہ ج6۔ص367۔

Commented [h2]:

کہتے ہیں بالاصالہ غیرآباد زمینیں مباحات اولیہ میں سے ہے لہذا ہر کوئی اسے آباد کر سکتا ہے اور وہی شخص اس زمین مالک ہو گا۔[26]

شیعہ فقہاء فرماتے ہیں کہ بالاصالہ غیرآباد زمینوں کا تعلق امام بھی امام سے ہے اور شیخ انصاری کتاب المکاسب میں اس قسم کی زمینوں کو بھی انفال میں شمار کرتے ہے۔ شیخ صاحب کی عبارت یہ ہے :

مایکون موتا بالاصالة بأن لم تكن مسبوقة بالعمارة ولا اشكال ولا خلاف منا فى كونها للامام عليه السلام .. وهى من الانفال[27] ..

"وہ زمین جو بالاصالہ غیرآباد ہو اور اس سے پہلے کسی نے آباد نہیں کیا ہو امام کے ساتھ مخصوص ہے اور اس مسئلہ میں علماء امامیہ کے درمیان کوئی اختلاف ہے نہ اشکال۔" پھر شیخ انصاری اس مسئلہ کو اجماعی قرار دیتاہے :

لا اشكال ولا خلاف منافى كونها للامام .ع والاجماع عليه محكى عن الخلاف . والغنية ، وجامع المقاصد، ومسالك ، وظاهرجماعة اخرى[28]

جو زمینیں بالطبع غیرآباد ہوں امام کے ساتھ مخصوص ہے اس مسئلہ میں نہ کوئی اختلاف ہے نہ کوئی اشکال۔ نہ کسی فقیہ نے اختلاف کیاہے اور اس مطلب کو' کتاب خلاف۔ غنیہ' جامع المقاصد' مسالک' میں اجماعی قرار دیاہے۔

مثلا ابن زھرہ کی عبارت یہ ہے :[29]

والارض الموات للامام خاصة دون غيره وله التصرف فيها بمايراه ودليل ذلك كله الاجماع المتكرر وفيه الحجة۔

ہمارے زمانے کے فقہاء میں سے آیت اللہ العظمی آقاي خوئی۔ قدس۔ نے اس مسالہ پر ادعائی اجماع محصل اور منقول دونوں کیاہے۔ آقائی خوئی کی عبارت :

فالارض الموات كلها للامام عليه السلام للاجماع المحصل والمنقول وعدم الخلاف بين الفقهاء۔[30]

تمام غیرآباد زمینیں امام کی ہے اس پر دلیل اجماع محصل اور منقول کے علاوہ فقہاکے درمیان کوئی اختلاف بھی موجود نہیں ہے۔ اس اجماع اور اتفاق کے علاوہ شیخ انصاری نے کچھ روایات سے بھی استدلال کیاہے اور شیخ صاحب کی نظر مبارک کے مطابق یہ روایتیں مستفیض اور متواتر ہے۔

26: ملکیۃالارض والثروات الطبعیہ. شیخ محمد مہدی آصفی ص 141

27: شیخ انصاری: مکاسب ص161.

28: شیخ انصاری: کتاب الخمس۔

29: غنیہ .ابن زہرہ.

30: مصباح الفقاہۃ. تقریر درس ایۃاللہ سید ابوالقاسم الخوی : مقرر : محمد علی توحیدی

والنصوص بذالك مستفيضة بل قيل انها متواترة

اس مطلب پر دلالت کرنے والی روایتیں مستفیض ہے بلکہ بعض علماء نے کہاہے یہ روایتیں متواتر ہے۔

وله بعدالخمس ، انفال ... كل ارض ميتة لارب لها.[31]

امام کے لئے خمس کے علاوہ 'انفال بھی ہےاور ہر وہ غیر آباد زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو وہ زمین بھی ہماری ہے۔

اسحاق بن عمار کہتے ہے میں نے امام جعفر صادق۔ع۔ سے انفال کے بارے میں پوچھا۔امام۔ع۔ نے جواب دیا:

كل ارض لا رب لها۔[32]

ہر وہ زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو انفال میں سے ہے۔

ابو بصیرؒ کہتے ہے: مین نے امام۔ع۔ سے پوچھاانفال کسے کہتے ہے:

امام۔ع۔ نے فرمایا:

كل ارض لا رب لها ۔

ہر وہ زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو۔[33] (انفال ہے)

میں یہاں پر فقہاء کی انہیں عبارتوں پر اکتفا کرتا ہوں۔

(یہاں سے آگے زمانہ غیبت کے دوران غیر آباد زمینوں کا حکم بیان کرتاہوں تاکہ مسئلہ کاملاواضح ہو سکے۔)

زمان غیبت امام میں کوئی شخص قصد ملکیت کے ساتھ غیر آباد زمین کو آباد کرے تو وہ شخص اس زمین کا شرعامالک ہوتاہے۔صاحب جواہر فرماتے ہے:

فالمتجه بناء على ماذكرناه سابقا ملك محيي لها اولاوبقائهاعلى ملكه۔[34]

ہمارے پچھلے بیان کی روشنی میں (یادہانی کراناضروری ہے (ہمارا منتخب نظریہ یہ ہے جو بھی شخص زمین کو آباد کرے گا(احیا)۔محیی۔ وہی شخص اس زمین مالک ہوگااور اس کی ملکیت باقی رہے گی۔

اس مسئلہ پر علماء اعلام نے چند دلیلوں سے استدلال کیاہے: 1۔روایات 2۔اجماع 3۔سیرہ متشرعہ

1۔روایات

محمد بن مسلم کہہ تاہے: امام۔ع۔ سے یہود اور عیسائیوں کی زمنیں کے حوالے سوال کیا۔امام۔ع۔ نے فرمایا:

31: وسائل الشیعہ ج۔6۔ص 371

32: وسائل الشیعہ ص372

33: وسائل الشیعہ ج۔1ص372.

34: جواہر الکلام.ص28.ص38.

1۔ ليس به بأس ... وايما قوم احيوا شيئا من الارض او عملوه فهم احق بها وهي لهم ۔[35]

کوئی شخص زمین آباد کرے اور اپنے کام میں لائیں تو کوئی حرج نہیں یہ افراد اس زمین کے مالک اور حقدار ہیں۔

سکونی امام صادق۔ع۔ سے رویت کرتے ہے کہ رسول خدا ۔ص۔ نے فرمایا :

من غرس شجرا او حفر واديا لم يسبقه اليه احد او احيى ارضا ميتة فهى له قضاء من الله ورسوله ۔

کوئی شخص زمین پر شجرہ کاری کرے اور ایک درخت بھی لگادے ' یا کوئی نہر بنادے ' یااس سے پہلے کسی نے کھادائی نہ کی ہو 'اور غیر آباد زمین کو آباد کرے خدااوراس کے رسول کے حکم کے مطابق وہ شخص اس زمین کامالک ہے۔

2۔ عبدالرحمٰن بن ابی عبداللہ کہتے ہے ' امام باقراور امام صادق رسول خدا سے روایت کرتے ہے۔

من احيا ارضا موتا فهى له ۔[36]

جو شخص کوئی غیر آباد زمین کو زندہ (آباد) کرے وہ اس کامالک ہے۔

وضاحت

انفال تمام کے تمام پیغمبر اسلام کی حیات طیبہ میں ان کی ملکیت ہے اور آنخضرت کے بعد ہر زمانے کا امام جو پیغمبر خدا کا جانشین ہو گا اس کی ملکیت ہے۔ کسی بھی شخص کے لئے اذن امام کے بغیر ان زمینوں پر تصرف کرنا جائز نہیں ہے اس بات پر علماء کے اجماع اور اتفاق کے علاوہ بہت ساری روایتیں بھی دلالت کرتی ہیں۔

محمد بن عثمان عمری نقل کرتے ہے ' امام زمانہ ۔عج۔ سے ایک سؤال ہوا تھالوگوں کے اموال اور امام کے اموال سے متعلق توامام زمانہ ۔ع نے جواب ارشاد فرمایا :

فلايحل لاحد التصرف [فى] مال غيره بغير اذنه فكيف يحل ذالك فى مالنا[37].

کسی بھی شخص کو دوسرے کے مال پر اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں ہے پس ہمارے مال پر ہماری ازن کے بغیر تصرف کیسے جائز ہو سکتاہے۔ پیغمبر خدافرماتے ہے :

انه قال ليس للمرأ الا ماطابت به نفس امامه۔[38]

لوگوں کے لئے سوائی اس کے کہ جو امام رضایت دے جائز نہیں ہے۔

ان ادلہ کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچ تے ہیں کہ عقلااور شرعا دونوں لحاظ سے انفال اور امام ۔ع۔ کی زمینوں پر ان کی

35: وسائل الشیعہ ج 17 ص 326۔

36: وسائل الشیعہ ۔ج 17۔ص 327.

37: وسائل الشیعہ ۔ج 6۔ص 377.

38: کتاب الخلاف ۔ شیخ طوسی ۔ج۔2۔ص 222۔

اجازت کے بغیر تصرف کرنا کسی بھی شخص کو جائز نہیں ہے۔

نکتہ دوم جو ان ادلہ سے اخذ ہوتا ہے یہ کہ یہ تمام دلیلیں عام ہیں شامل کرتی ہے زمانہ حضور امام اور غیبت امام دونوں کو جتنی بھی زمینیں امام کی ہے چاہے زمانہ حضورامام ہو یازمانہ غیبت ہو امام کی اجازت ضروری ہے' شرعااور عقلا کسی بھی شخص کو امام۔ع۔ کی اجازت اور رضایت کے بغیر ان کی زمینوں پر تصرف کرنے یاآباد کرنے کااختیار نہیں ہے بنابراین اگرامام یاامام کا نمایندہ حاضر ہو تو ان سے ڈائریکٹ اجازت لے ناچاہئے۔ اور زمانہ غیبت میں ولی فقیہ اور حاکم شرع سے اجازت لے ناہوگا وگرنہ تصرف درمال غیر بغیر اذن لازم آئے گاجو حرام اور ناجائز ہے۔

لیکن شرح لمعہ میں شہید ثانی کی عبارت سے کچھ اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ امام سے اذن لینا مخصوص ہے زمانہ حضور امام کے ساتھ۔ شہید ثانی کی عبارت شرح لمعہ میں یہ ہے :

ولایکن الامام ۔ع۔ غایبا افتقر الاحیاء الی ازنه اجماعا۔[39]

یعنی امام۔ع۔ غائب نہ ہونے کی صورت میں (زمانہ حضور) زمین آباد کرنے کے لئے اذن امام کی ضرورت ہے اجماعا۔

سید جواد حسینی عاملی نے مفتاح الکرامہ میں تمام دوسرے فقہا کے اجماعات کو بھی جو کہ اذن امام کے سے مشروط کیاہے زمانہ حضور امام کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں۔

جناب عاملی صاحب شرح لمعہ کے اجماع شہید کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہے۔

وعلیه تنزل معاقد بقیة الاجماعات واطلاقات اکثر العبارات ۔[40]

شہید ثانی تمام اجماعات اور اکثر فقہا کی عبارتوں کو شرح لمعہ کے اجماع کے موافق قرار دیتاہے۔

بہر کیف زمانہ غیبت میں غیر آباد زمینوں کو آباد کرنے کے لئے اذن ولی فقیہ شرعی ہونے اور نہ ہونے میں فقہا کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے اور کل دو نظریے ہیں :

شہید ثانیؒ' سید محمد جواد حسینی اور ان کے پیروکاروں کے نزدیک زمانہ غیبت میں غیر آباد زمین کو آباد کرنے کے لئے ولی فقیہ کی اذن شرط نہیں بلکہ ہر کوئی بغیر اذن ولی فقیہ کے آباد کرسکتا ہے۔ قول دوئم اکثر فقہاء کا ہے۔ وہ زمانہ غیبت میں غیر آباد زمین کو آباد کرنے کے لئے ولی فقیہ کی اذن شرط قرار دیتے ہیں۔ لیکن زمان حضور امام میں بالاتفاق اذن امام یا نائب شرط ہے۔

پیغمبر اکرم اور ائمہ اطہار علیہم السلام کی طرف سے غیر آباد زمینوں کو احیا کرنے لئے عمومی اجازت نامہ

بغض فقہا کی یہ رائ ہے کہ زمانہ غیبت میں غیر آباد زمینوں کو آباد کرنے کے لئے کسی شخص خاص سے اذن لینے کی

39: شرح لمعہ نسخہ قدیم بخط عبدالرحیم ج.2.ص.250.

40: مفتاح الکرامہ ج.7ص.4

ضرورت نہیں ہے بلکہ ائمہ اطہار ۔ع۔ نے تمام اراضی موات کوآباد اور احیاء کرنے کی عمومی اجازت دے رکھی ہے ۔ان علماء نے دو قسم کی روایات سے استدلال کیا ہے۔

1۔ وہ مطلق رواتیں جو مردہ زمین کے مطلقا جواز احیاء پر دلالت کرتی ہیں :

2۔ روایات تحلیل اور شیخ انصاری بھی اسی نظریہ کے قائل ہے۔ شیخ صاحب کی عین عبارت یہ ہے :

نعم ابیح التصرف فیها بالاحیاء ،بلا عوض وعلیه یحمل مافی النبوی.[41]

ہاں امام ۔ع۔ کی زمینوں کو بغیر کسی عوض کے زندہ کرنا(آباد) مباح ہے اور پیغمبر اکرم کی روایتوں کو اسی مطلب پر حمل کیا جاتا ہے ۔۔ جیسا کہ میں نے اوپر بتادیا یہ اذن عام دو قسم کی روایتوں سے ظاہر ہوتی ہے :

(۱) روایات احیاء (۲) روایات تحلیل۔

پہلے ہم روایات احیا سے شروع کرتے ہیں ۔اور شیخ انصاری نے شانہ غیبت میں بغیر کسی اذن کے جواز احیاء پر پیغبر اکرم ۔ص۔ کی روایات سے استدلال کیا ہے :

نعم ابیح التصرف فیها بالاحیاء بلاعوض وعلیه یحمل مافی النبوی۔ موتان الارض لله ورسوله .ص. ثم هی لکم ایهاالمسلمون.

دوسری روایت :

عادی الارض لله ورسوله ثم هی لکم منی.[42]

ہاں امام ۔ع۔ کی زمینوں پر تصرف کرنا بغیر کسی عوض کے مباح ہے۔

اسی مطلب پر حمل کیا جاتا ہے فرمان پیغمبر اکرم ﷺ کو جس میں آپ نے فرمایا۔ تمام غیر آباد مردہ زمینیں اللہ کی ملکیت ہے اس کے بعد رسول خدا کی ملکیت ہے ،اس کے میری اجازت سے تمہاری ہے اے مسلمانو ! ان روایات کے علاوہ بھی اور روایتیں ہیں۔

شیخ اعظم انصاری ان روایت سے استنباط کرتے ہوے فرماتے ہے جب کبھی کوئی شخص غیر آباد مردہ زمین کو آباد کرے تو اس اذن عام کی رو سے کوئی عوض ادا کئے بغیر آباد کر سکتا ہے اور تصرف کرنا جائز ہے۔

سید محمود حسینی کا نظریہ بھی یہی ہے :

تسمع الاخبار فانها ظاهرة فی الاذن فی الاحیاء للمسلمین بل الناس کافة وتملکهم لها به فی حال الحضور والغیبة والصحاحة مستفیضة۔[43]

41: شیخ انصاری: مکاسب.ص161

42: کتاب المکاسب.ص.161

43: جواد عامل: مفتاح الکرامۃ۔ج7.ص.4

صحیح روایتیں اس بات پر ظہور رکھتی ہیں کہ مسلمانوں ٬بلکہ تمام افراد کو٬ مردہ غیر آباد زمینوں کی آبادکاری کی جازت ہے وہ ان زمینوں کو زمانہ غیبت اور حضور دونوں میں آبادکاری کے ذریعہ مالک ہو سکتے ہیں۔
امام محمد باقر اور امام صادق۔ علیہما السلام پیغمبر اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں :
من احیاء ارضا میتة فهی له[44].
کوئی شخص کسی غیر آباد زمین کو آباد کرے تو وہ اس کا مالک ہے۔
امام صادق علیہ السلام فرماتے ہے :
ایما قوم احیوا شیئا من الارض او عملوه فهم احق بها وهی لهم ۔[45]
اگر کوئی قوم کسی غیر آباد زمین کو آباد اور زندہ کرے اور اس زمین پر کام کرے تو وہ لوگ اس زمین کے زیادہ حقدار ہیں۔
پھر امام محمد باقر۔ع۔ فرماتے ہیں :
ایما قوم احیوا موتی شیئا من الارض او عمروها فهم احق بها.[46]
کوئی گروہ کسی غیر آباد زمین کو آباد کرے تو وہ اس زمین کا زیادہ حق دار ہے۔
ان روایات کا خلاصہ اور نتیجہ یہ نکلتاہے پیغمبر اکرم ۔ص۔ اور ائمہ اطہار کی اذن عام سے کسی غیر آباد مردہ زمین کو آباد کرے وہ اس زمین کا ملک ہوگا شرعا اور کسی شخص سے اس مقصد کے لئے اذن لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے) شیخ انصاری اور سید جواد عاملی اسی نظریہ کے قائل ہیں۔

2۔روایات تحلیل۔

اس نکتہ کو یاد رکھے بالاصالہ غیر آباد زمینیں انفال میں سے ہے وہ روایات جو حلیت انفال پر دلالت کرتی ہے یقینی اور محکم ہو تو اذن عام پر دلیل بن سکتی ہیں اور ہر کوئی اسی اذن عام پر تمسک کرتے ہوئے غیر آباد مردہ زمینوں کو ولی فقیہ کی اجازت کے بغیر آباد کر سکتاہے۔
لیکن بد قسمتی یا خوش قسمتی آپ جو بھی سمجھے ان زمینوں کی حلیت پر ہمارے فقہاء اور مراجع عظام کے درمیان اختلاف نظر ہے اور شیخ اعظم انصاری اس اختلاف کی طرف اپنی اس عبارت کے ذریعہ توجہ مبذول کراتے ہوئے فرماتے ہے :
المشهور کما فی الروضة تحلیل الانفال للشیعة فی زمان الغیبة وظاهر المحکی فی المختلف من عبارات الاصحاب عدم تحقق هذه الشهرة اذلم ینقل القول بالتحلیل مطلقا الاعن سلار وحکی عن الحلی عدم جواز

44: وسائل الشیعہ .ج17.ص.327.
45: وسائل الشیعہ ص326۔
46: وسائل الشیعہ ج17.ص.326.

التصرف فى الاخماس والانفال فيماعدا المناكح والمساكن والمتاجر ، وعن المفيد الاقتصار على اول الثلاثة وكيف كان فمأخذ هذه الشهرة لم اقف عليه ولذا نسب فى الحدائق الى المشهور اختصاص التحليل بالثلاثة نعم هو مذهب الشهيدين والمحقق وجملة من تأخرعنهم.[47]

روضہ (شرح لمعہ) شہید ثانی میں مذکور ہے مشہور فقہاء کے مطابق زمانہ غیبت میں انفال شیعوں کے لئے حلال ہے۔ لیکن علامہ حلی نے بے حد مبالغہ سے کام لیتے ہوے اس حلیت کا سرے سے انکار کیا ہے۔ (بہت عجیب ہے۔)

پھر شیخ طوسی اور علامہ فرماتے ہیں: انفال اور خمس پر تصرف کرنا ان تین چیزوں کے علاوہ جائز نہیں ہے: 1۔ شادی بیاہ 2۔ تعمیر مکان 3۔ تجارت

شیخ مفید صرف ازدواج کے لئے انفال اور خمس پر تصرف جائز سمجھتا ہے بس۔ پھر شیخ انصاری فرماتے ہے مجھے اس شہرت کی دلیل نہیں ملی۔ اسی وجہ سے صاحب حدائق نے جواز تصرف کی نسبت کو قول مشہور میں مذکور تین چیزوں کی طرف دی ہے بس۔ ہاں شہرت شہیدین، محقق اور ان کے بعد کے علماء کے نزدیک ثابت ہے۔ لیکن خود شیخ انصاری بھی حلیت انفال کے قائل ہے۔ مثلا کتاب خمس کی اس عبارت کا ملاحظہ فرمائیں شیخ صاحب لکھتے ہے:

وكل ما في ايدي شعيتنا من الارض فهم فيه محللون ۔[48]

جو زمینیں شیعوں کے قبضے میں ہے ان پر حلال ہے۔

ہمارے فقہا رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین نے انفال اور اراضی امام کی حلیت پر مزید کچھ اور احادیث سے بھی استدلال فرمایا ہے:

1۔ مسمع بن عبدالملک امام صادق ع۔ سے روایت کرتے ہے۔امام علیہ السلام نے فرمایا:

او مالنا من الارض وما اخرج الله منها إلاالخمس ، يا ابا سيار ان الارض كلها لنا فما اخرج الله منها من شئ فهو لنا.

ہم زمین اور اللہ تعالی زمین سے جو کچھ خارج کرتا ہے خمس کے علاوہ کسی اور چیز کا حق نہیں رکھتے کیا اے اباسیار؟ زمین اور اللہ تعالی زمین سے جو کچھ خارج کرتا ہے وہ سب ہمارا ہے۔

مسمع بن عبدالملک کہتا ہے، میں نے عرض کیا: کیا جتنا مال میرے پاس ہے آپ کی خدمت میں حاضر کردوں؟

امام۔ع۔ نے فرمایا:

47: شیخ انصاری: کتاب الخمس۔

48: نجفی: جواہر الکلام ج١٦ص٦و١٢٤

یاابا سیار!قد طیبناه لك واحللناك منه،فضم الیك مالك،وكل ما في ایدي شعیتنامن الارض فهم فیه محللون،یحل ذلك لهم حتی یقوم قائمنا.[49]

اے ابا سیار ! تیرے لئے ہم نے مباح اور حلال کر دیا ہے اپنامال اپنے پاس رکھو 'اور جو زمینیں ہمارے شیعوں کے قبضے میں ہیں ان پر حلال ہے ہمارے قائم کے ظہور تک۔

2۔ حارث بن مغیرہ نقل کرتاہے کہ میں امام محمد باقر۔ع۔ کی خدمت شرفیاب تھا 'نجیہ نامی شخص حاضر ہوااور امام سے سؤال کیا فلانی اور فلانی کے بارے میں آپ کیافرماتے ہے۔امام۔ع۔ نے فرمایا :

قال : یا نجیة ، إن لنا الخمس في كتاب الله ، ولنا الأنفال ، ولنا صفو المال ، وهما ، والله ، أول من ظلمنا حقنا في كتاب الله . إلی أن قال : . اللهم إنا قد أحللنا ذلك لشیعتنا ،.[50]

اے نجیہ کتاب خدامیں جس خمس کا ذکر آیاہے اور انفال ہمارے لئے مخصوص ہے۔خدا کی قسم وہ دونوں پہلے دو شخص ہیں جنہوں نے کتاب خدامیں جو حق ہمارے لئے تھا ظلم کیا(اور غصب کیا) پروردگارا ہم نے ہمارے سارے حقوق کو ہمارے شیعوں پر حلال کیا۔

ان روایات کے علاوہ کچھ اور روایات ہے جو صرف خمس اور فئ کی حلیت پر دلالت کرتی ہیں اور ائمہ سے مروی ہے۔
شیخ اعظم انصاری فرماتے ہے یہ روایتیں انفال کو بھی شامل کرتی ہیں :

یمكن ان یستدل علی حل الانفال كلیة بما ورد من تحلیل الخمس والفیء[51].

حلیت انفال پر ان روایتوں سے بھی استدلال کرنا ممکن ہے جو خمس اور فئ کی حلیت پر دلالت کرتی ہیں۔مثلااس روایت کا ملاحظہ فرمایائیں۔امام محمد باقر۔ع۔فرماتے ہے :

قال ان الله جعل لنا اهل البیت سهاما ثلاثة فی جمیع الفیء ...فنحن اصحاب الخمس والفیء وقد حرمنا علی جمیع الناس ماخلاشیعتنا.[52]

امام محمد باقر۔ع۔فرماتے ہے : اللہ نے تمام فئ میں تین حصے ہمارے لئے رکھاہے ' صاحبان خمس اور فئ ہم ہیں۔ ہم نے سارے انسانوں پر حرام کیاہے 'سوائے اپنے شیعوں کے۔

میں اس مقالہ کو یہاں پر روک لیتاہوں مزید بحث کو طول دینامناسب نہیں ہے۔البتہ بہت نفیس ابحاث اور روایات موجود اور کتب قوم میں مذکور ہے جو چاہے مناسب مصدر کی طرف رجوع کرے موضوع بہت مفصل ہے اقسام بہت زیادہ ہے۔

49: وسائل الشیعہ .ج6.ص382.
50: وسائل الشیعہ ج6.ص383.
51: کتاب الخمس شیخ انصاری.
52: وسائل الشیعہ .ج6.ث.385.

باقی فقہاء کی عبارتوں کی نقل سے معذرت خواہ ہوں۔

یہاں سے چند ایک ہمارے ہم عصر فقہاء کے فتاوا نقل کرنے کے بعد آخر میں نتیجہ اور شرعی فیصلہ پر اپنے مقالہ کو ختم کرتاہوں۔اور یہاں پر فقہا کی فارسی عبارتوں کو بعینہٖ نقل کرتاہو :

از نظر احادیث ومنابع معتبر اسلام زمین ها به چند قسم تقسیم می شود :

1: زمین بایری که صاحب ومالک آن مشخص است که تکلیف چنین زمین هایی روشن است به این معنی که هرگونه خریدوفروش ودخل وتصرف در آنهاباید بااجازه ورضایت مالک آنها باشد.

2: زمین موات بالاصاله ـ-یعنی زمین هایی که تاکنون احیا ء نشده است . این قسم از مورد انفال ومال امام .ع. است.

امام خمینیؒ کا فتوا

موات اصلی ملک امام .ع. است لکن در زمان غیبت آن حضرت هرکس آن را آباد کند مالک می شود .چه سر زمین اسلامی باشد یاکفر ، وچه مثل عراق چه زمین خراج باشد یانه ، وچه آباد کننده مسلم باشد یاکافر[53].

آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی کافتوا۔

ارضی موات با ثبت دادن ملک کسی نمی شود.

اس لفظ کی وضاحت ضروری ہے بہت ہی کام کا فتواہے۔آغائی ناصر مکارم شیرازی فرماتے ہے ۔کہ غیر آباد زمین کا صرف تحریری معاہدہ یا کسی کے پاس لکھاہواایگریمنٹ[انتقال]ملکیت کے لئے کافی نہیں ہے۔

بلکه باید آن را احیاءکند ؛ یعنی آماده برای کشت وزرع نماید۔[54]

بلکہ ضروری ہے تحری معاہدہ اور ایگر لیمینٹ کے علاوہ زمین کو آباد کرے کاشت کاری ،اور فصل دینے کے قابل بنائے تب جاکر مالک زمین ہوگا وگرنہ مالک زمین نہیں ماناجائے گا۔

53: حوالہ نجاۃالعباد. ص. 346

54: کتاب احیاء موات۔

3: زمینی که مالکانش از آن اعراض وصرف نظر کرده اند ویادر اثر حوادث وبلا از بین رفته اند ونیز زمینی که قبلا احیاء شده واینک رهاشده ومجدداً موات گشته است ، به آن موات بالعرض اطلاق می شود ، اینها از موارد انفال ومال امام .ع. است.

امام خمینی کا فتوا.

موات عارضی اگر چنانچه مالکی ندارند مثل زمین هایی که از ملل سابقه بوده ومنقرض شده اند واسم ورسمی از آنها نیست حکمش حکم موات اصلی است[55] .

ایک لازمی نکتہ جس کا یہاں ذکر ناضروری ہے کہ صرف غیر آباد زمین کو اباد کرنے سے انسان اس زمین کا مالک نہیں بنتا بلکہ مندرج ذیل شرائط کا ہونا لامی ہے :

الف) جس زمین کو آپ آباد کرنا چاہتے ہیں پہلے کسی مسلمان کے تصرف میں نہ ہو۔

ب) وہ زمین کسی دوسرے شخص کی حریم نہ ہو۔

ج) اس زمین کو شارع مقدس نے مکان عبادت کے لئے معین نہ کیا ہو۔ جیسے مشعر الحرام ، منی ، میدان عرفات اور مسجد الحرام وغیرہ۔

د) وہ زمین قطائع امام معصوم نہ ہو۔

ھ) اس زمین کو آپ سے پہلے کسی نے آباد نہ کیا ہو۔۔

نتیجہ اور آخری فیصلہ۔

تمام اسباب ملکیت ، شرائط ، فقہا کے فتاوا۔ اسلام کے مقدس احکام. کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہماری یہ عدالت گلگت بلتستان کے راجہ گان کا خصوصا متازع مدعی راجہ صاحب اور شغر تھنگ ، ستقچن ، ژھوق کے مابین نزاع کا فیصلہ سنایا جاتا ہے کہ راجہ صاحبان کا دعوا غیر اسلامی اور غیر قانونی ہے۔ کیونکہ راجہ صاحبان کے پاس مذکرہ بالا زمینوں کی ملکیت ثابت کرنے کے لئے کوئی شرعی سبب موجود نہیں۔

اگر راجہ صاحبان کے پاس کوئی سرکاری ، غیر سرکاری ، یاڈوگراراج کے دوران کی کوئی تحریر یاایگریمنٹ ہو تو اس کی شرعی کوئی حیثت نہیں ہے کیوں کہ غیر اسلامی حکومت کسی بھی زمین کی مالک شرعی نہیں ہے۔ ڈوگراراج بھی غیر اسلامی حکومت کے ذمرے میں آتا ہے۔ لہٰذا راجہ صاحبان شغر تھنگ ، ستق چن اور ژھوق کی زمینوں کے مالک ہے نہ پارٹنر ہے۔ اس لئے

55: حوالہ سابقہ کتاب

زمینوں کے مالک اہل علاقہ ہے اور راجہ صاحبان کو کسی قسم کے مالیات ، ٹیکس اور اجارہ وغیرہ لینے کا شرعا کوئی حق نہیں ہے۔ اجارہ لینے کے لئے ملکیت ثابت کرنا ضروری ہے۔ جبکہ ملکیت ہی منفی ہو تو اجارہ خود بخود منفی ہو جاتی ہے۔ سرکار کو ، کوئی زمین کسی کو الاٹ کرنے یا فروخت کرنے کا شرعا کوئی حق نہیں ہے۔ اس لئے کہ شریعت میں خالصہ سرکار نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ لہٰذا اہالی شغر تھنگ وغرہ اپنے علاقے کی زمینوں کے شرعی مالک ہیں۔ ٹیکس اور مالیات لینے کا بھی حق نہیں رکھتے کیوں کہ گلگت بلتستان ،حکومت پاکستان کے زیر کنٹرول ہے۔ راجہ گان کی کوئی حکومت نہیں۔ لہٰذا اگر ٹیکس لگانا ہو تو یہ حکومت پاکستان کا حق ہے نہ کہ راجہ صاحبان کا۔ اس کے علاوہ راجہ صاحبان بھٹو دور کے بعد راجہ ہی نہیں رہے اور منصب راجگی سے معزول ہو چکے ہے۔ لہٰذا قانوناً بھی اہل علاقہ کو تنگ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

شرعی فیصلے کی توثیقات

اس شرعی فیصلے کو احتیاط کے طور پر علمی اور اخلاقی طور پر قابل اعتماد علماء کی خدمت میں پیش کیا گیا تاکہ کسی قسم کی حق تلفی نہ ہو اور تحقیق کا حق ادا ہو جائے۔ جن میں کچھ اعاظم مندرجہ ذیل ہیں جنہوں نے فیصلے کی تحریری توثیق فرمائی :

(۱) سید مبارک علی موسویؒ (سابق مسئول محکمہ شرعیہ چھوترون)

(۲) سید عباس موسوی دام عزہ (موجودہ مسئول محکمہ شرعیہ چھوترون)

(۳) شیخ ہمایوں سجاد دام عزہ (مسئول محکمہ شرعیہ گلگت)

(۴) سید عاشق حسین دام عزہ (امام جمعہ استور)

(۵) شیخ ضامن علی مقدسی دام عزہ (امام جمعہ چھورکاہ)

ایک بزرگوار سیدؒ کے آخری لمحات[56]

مرحوم سید مبارک علی موسویؒ میرے بہنوئی تھے۔ عمر 80 سال کے قریب تھی۔ چند سال سے علیل تھے۔ ایک سال چل نہ سکے۔اور دو ماہ سے بستر پر تھے۔ کئی مرتبہ بیماری کا غلبہ ہوا۔ ہسپتال میں داخل ہوئے اور شفا پائی۔ ماہ گزشتہ انہوں نے ہسپتال لیجانے کی اجازت نہ دی۔ اور آخری بیماری میں سکردو لیجانے سے بھی روکا۔ میری بہن بتا رہی تھی کہ وفات سے دو تین گھنٹہ قبل انہوں نے فرمایا۔ کہ دیکھو۔ یہ عزرائیل ہیں۔ شاید مجھے ساتھ لیجانے کے لئے آئے ہیں۔ تم میرے لئے کلمہ پڑھو۔ بہن نے کہا کہ آپ بدشگونی نہ کریں۔ طبیعت ٹھیک ہے۔ آپ خود پڑھ لیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں شاید درست نہ پڑھ سکوں۔ پھر

56 : ڈاکٹر حسن خان اماچہ

خود ہی پڑھنا شروع کیا۔ اشہد ان لا الہ اللہ وحدہ لا شریک لہ۔ واشہد ان محمد عبدہ ورسولہ۔ واشہد ان علی ولی الہ ووصی رسول اللہ و خلیفتہ بلا فصل۔ اتنے میں بیٹا کمرے میں داخل ہوا۔ ان کے سامنے پھر کلمہ پڑھا۔ اور سن کر درستی چاہی۔ پھر بیماری کا غلبہ اور احتضار کی کیفیت طاری ہوئی۔ گھنٹہ بعد روح نے قفس عنصری چھوڑ دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میں اس سے قبل میرے اپنے شریک زندگی۔ اور۔ والد مرحوم کے آخری لمحات کی کہانی دوستوں تک پہنچا چکا ہوں۔ آج اتفاقا میرے پر دادا امراد علی خان اماچہ کی برسی ہے۔ انہوں نے 28 صفر 1322 ہجری بروز بدھ وفات پائی تھی۔ جو رسول اسلام (ص) کا یوم وصال ہے۔ شیعہ اہل سنت منابع مہینہ، تاریخ اور دن کے بارے میں متفق نہیں ہیں۔ لیکن مسلمان عوام صفر کے آخری ہفتہ میں بدھ کے دن کو یوم وفات کے طور پر بھاری، نحس اور بے برکت دن گردانتی ہے اور خیرات سے ٹالنے کی کوشش کرتی ہے۔

شرعی فیصلے پر اعتراضات

بروگ سینگے کا اعتراض[57]

علی الاسلام السلام اذا بلیت الامۃ بھذہ العمائم یہ نام نہاد شرعی فیصلہ نہایت ظالمانہ اور جاہلانہ ہے:

(1) اس فیصلے میں قاعدہ ید کو بنیاد بنایا گیا ہے جبکہ لگان ادا کرنا اس قاعدے کی نفی کرتا ہے اور یہ ثابت اور کنفرم کرتا ہے کہ یہ زمین مدعی علیہم کی ملکیت نہیں ہے۔ پھر بھی قاعدہ ید کو جاری کر کے ایک جاہلانہ اور ظالمانہ فیصلہ جاری کیا جا سکتا ہے لیکن شرعی فیصلہ نہیں۔

(2) اس میں جو لکھا گیا ہے۔ اس سے صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مدعا علیہم کا تعلق راجا خاندان سے ہے تو اس تناظر میں راجاؤں کے دور میں املاک سے متعلق جو شرعی اور قانونی حیثیت تھی۔ اس کو دیکھنا پڑے گا جبکہ اس فیصلے میں اس کو یکسر نظر انداز کیا گیا ہے۔ راجاؤں کا اقتدار ختم ہونے سے شرعی حیثیت ختم نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کا شرعی املاک ختم ہوتا ہے۔

اس زمانے میں لوگ اپنی ذاتی اور کاشت کاری کی زمینوں کو راجہ کے نام ھبہ کرتے تھے اور راجہ کی وکالت میں محلے کا کانگ سکن اس کا قبض لیتے تھے یہ طریقہ آج بھی سندھ میں رائج ہے پھر راجہ کسی کو پکا چھونپہ (پگڑی) کے طور پر زمینیں کاشت کرنے کے لئے دیتے تھے جو کہ اجارے ہی کی ایک قسم ہے چاہے اجارہ کا نام لے یا نہ لے یہ اجارے کے زمرے میں آتا ہے اس ضابطے کے تحت جسے پگڑی یا پکا چھونپہ کہا جاتا ہے مالک اپنی زمینیں کسی کو نہیں بیچ سکتا اور نہ وہ کاشت کرنے والے لوگوں کو بے دخل کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس میں مدت معین ہوتا ہے اس کی تفصیلات کے بارے میں کسی بھی مجتہد کی توضیح المسائل میں جدید

57 : یہ اعتراض فیس بک پر شائع ہوا تھا لیکن مقالہ نگار کی پہچان نہ ہو سکی۔ لیکن اس عنوان (بروگ سینگے) کی وضاحت کرتے ہیں تا کہ قارئین کی دلچسپی بڑھ جائے۔ مقپون راجہ کے سلسلہ کی ایک کڑی جو (1280ء سے 1310ء) میں حاکم تھے۔ یوسف حسین آباد؛ تاریخ بلتستان ص ۷٦

مسائل کے باب میں پگڑی کے احکام کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ایسی زمینیں راجاؤں کی ذاتی املاک میں شمار ہوتا ہے جو بعد میں ان کی ورثہ کی طرف منتقل ہوتا ہے اگرچہ نہ وہ بیچ سکتے ہیں اور نہ کاشتکاروں کو بے دخل کر سکتے ہیں لیکن ان کی ملکیت سلب نہیں ہوتی جس طرح کاشت کاری کرنے کا حق کاشتکاروں کی اولاد کی طرف منتقل ہوتا ہے لیکن ان کی ملکیت میں نہیں آتے اگرچہ صرف وہ اور ان کی اولاد کے علاوہ کوئی اور کاشت نہیں کر سکتے اس طرح کا شاہی قانون بلتستان کے ہر علاقے میں رائج ہے بعد میں بعض لوگوں نے ذوالفقار بھٹو کے اعلان سے فائدہ اٹھا کر ان زمینوں پر قبضہ کیا ہوا ہے اور راجا کی اولاد کو اجارے کا حق بند کیا ہوا ہے اور راجہ کی اولاد بھی کاشتکاروں کی غنڈہ گردی کے خوف سے خاموش رہتے ہیں۔ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ زہیں میں ان کی ذاتی املاک میں داخل ہیں۔ذوالفقار علی بھٹو تو کیا دنیا کی کوئی طاقت ان سے ان کے املاک کو نہیں چھین سکتے ہاں وہ زمینیں جو کسی نے راجاؤں کو ھبہ نہیں کیا اور غیر آباد تھی اس زمانے میں شاہی قانون کے تحت کسی نے آباد کیا ان پر دعوی کرنے کا ان کو کوئی حق نہیں ہے ابھی جب شاہی دور ختم ہو گیا تو وہ زمینیں مجہول المالک کے زمرے میں آتی ہیں ان زمینوں کو حاکم شرعی کے علاوہ دنیا کی کوئی طاقت کاشتکاروں کی ملکیت میں نہیں دے سکتی۔اس بنا پر کاشتکار یا ان کی اولاد خدا کا خوف کھاتے ہوئے راجہ کی اولاد کو اجارہ یا سپیا یا لگان ادا کرئے ورنہ غاصب شمار ہونگے۔

فیصلہ پر مدعیان کے اعتراضات

نزاع راجہ صاحبان سکردو و شغر تھنگ کے بارے میں شرعی فیصلہ پر اعتراضات[58]

1 : موارد نمبر 1 : چال سے دائیں بائیں کی ہے البتہ اس حد تک درست ہے کہ راجگان 1972 تک اہالیان سے لگان لیتے تھے۔ ہر دو فریق بلا چوں وچرا ان متفق ہیں۔

2 : موارید نمبر 2 محتاج حوالہ معائنہ دستاویز ہے۔(کس فریق کے پیش کردہ دستاویز کے حوالہ سے کہا جا رہا ہے دستاویز نسبت معاہدہ یا قرار داد وضاحت طلب اور دیکھنے کے فریقین خواہان ہیں منظر عام پر لایا جاویں۔)

3 : موارید نمبر 3 کے مندرجات سرکاری دستاویز جمعبندی کے کالم نمبر خانہ لگان جو مزارعہ مالک کو ادا کرتے ہیں کے مطابق درست ہیں۔

موارید نمبرات 4 اور 5 بھی دستاویزات کے حوالہ جات وضاحت طلب ہیں اس نسبت کس فریق نے کون کونسا دستاویز محضر میں پیش کیا ہے فریقین کو دیکھایا جائے۔

6 : رائج الوقت قانون کا تذکرہ ہیں دعویٰ اور جواب دعوی سے تعلق نہیں ہے۔

(شرعی لحاظ سے)

58 : تحریر: کاچو ایلیا خانؒ آپ اس نزاع میں مدعیان کی طرف سے شرعی محکمہ میں مختار تھے۔

اولا : شریعت میں مدعی پر بینہ اور منکر پر قسم۔ بالکل درست ہے۔
ثانیاً : ید امارہ ملکیت ہے۔ درست فرمایا ہے۔
ثالثاً : دستاویزات ــ تحریری جو فریقین کو تسلیم کرتا ہے۔ بالکل درست ہے۔
رابعاً : شرعی اجارہ کیلئے تعین مدت ضروری ہے ورنہ عقد اجارہ باطل ہے۔ بلکل درست ہے اس نسبت متاثر کون ہوتا ہے مالک یا مزارع۔
خامسا : بالکل درست اور صحیح ہیں۔
سادسا : درست ہے۔ مالک اور مزارعہ کی شناخت جمعبندی اور مثل حقییت کے کالم خانہ نام مالک اور خانہ نام کاشتکار سے معلوم ہو گا نہ کہ زبانی۔ میں مالک ہوں۔ کہنے سے۔
سابعا : درست ہے۔ مگر خانہ لگان میں درج مقررہ اشیاء پر مزارعت قبول کرنا ایک رضامندانہ معاہدہ فریقین ہے اگر راضی نہیں تو مزارعت چھوڑ دے مالک کے جانب سے کوئی جبر یا اعتراض نہیں ہونگے جبر کرنے کی صورت میں مالک ظالم اور مزارع مظلوم ہو گا۔
(در نتیجہ)
۱ : اس نزاع میں (لفظ مدعی کی جگہ لفظ مدعا علیہم) کے اندراج کے بعد باقی تمام جملے درست ہیں۔ شرعی دلیل میں لگان کے علاوہ دیگر دستاویزات بھی پیش کر چکے ہیں اور ذکر نہ کرنا اور اور مدعا علیہم کے جگہ مدعی لکھنا شیطانی چال ہے۔
۲ : لگان کو عرف اور لغت میں شرعی اجارہ تسلیم کرنے کے بعد باقی جملے بکواس ہیں۔ البتہ جواب استفتاء بمطابق سوال ہے ہر دو استفتاءات کو سامعین کے سامنے پیش کیا جائے اور مضمون استفتاءات کو کسی پڑھے لکھے عالم سے اردو میں ترجمہ کرا کر مشتہر کرایا جائے۔ مجتہدین عظام کے فتوں پر من وعن عمل کرونگا۔ مگر ان سے منسوب کسی ان پڑھ کا مفروضات ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔ یہی دستاویز مثل عدالت دیوانی نمبری1982/102 کے صفحہ نمبر 19اور 20 پر موجود ہےاور مورخہ07/مئی 1982 کے فرط احکام میں بھی ذکر بقلم خود جج صاحب موجود ہیں۔ مگر خود اہالیان کے نمائندہ گان نے تسلیم نہ کرتے ہوئے قانونی کاروائی کو آگے بڑھانے کی استدعا کرتے ہوئے فہرست گواہان پیش کرنے کا التجا کیا ہے۔
۳ : پیرہ ھذا مدعا علیہم کی جگہ مدعیان لکھنے کے بعد اگر اعتراضات بر محل ہے تو مزارعت پر رہنے کی کوئی جبر ہم مالکان کے طرف سے بلکل نہیں ہے خوشی سے مزارعت چھوڑ دے۔
لہٰذا کے بعد کے مندرجات کتنا مطابق شرع ہے یا نہیں اپنی اپنی علمی معلومات اور شناسائی اصول و شرائط قضاوت آرا فرمائے۔ والسلام
بھٹو کی 1972 میں عوام کو معاف کرنے کی نسبت خود اہالیان موضع شغر تھنگ کی بعنوان کھیوڑو ولد قسی وغیرہ اہالیان شغر تھنگ 90 کسان بنام حاتم خان وغیرہ نمبری مثل دیوانی1982/102از سول جج تا ہائی کورٹ مجلس اختتام پذیر ہوا ہے

دعویٰ جواب دعویٰ بیانات گواہان گے بیانات اور دستاویزات ' فیصلہ جات pdfپر ملاحظہ ہو محضر میں پیش کیا گیا ہے۔ التماس دعا۔

ایک اور اعتراض کا جواب

مدعی اور مدعا علیہ میں غلط فہمی [59]

ہمیں تعجب ہوتا ہے آپ پر ' بجائے اس کے کہ مدعی اور منکر کی تشخیص کے بارے میں خود علامہ سید محمد علی موسوی صاحب سے پوچھ لیتے 'ان پر الزام لگا رہے ہیں کہ یہ مدعی اور منکر کو تشخیص نہیں دے سکتے ہیں 'جس نے تیس پینتیس سال انہیں ابحاث کو سمجھنے کے لیے حوزہ علمیہ قم میں صرف کیا ہے؟؟؟ یہ ایک ایسی بحث ہیں جو ہر کسی کو سمجھانا سخت ہیں۔ علماء نے اس کی مختلف تعریفیں کی ہیں:

الاول: المدعی هو الذی یترک لو ترک الخصومه[60].

یعنی مدعی اس شخص کو کہا جاتا ہیں اگر وہ کیس لڑنا چھوڑ دیں تو اسے چھوڑا جاتا ہے۔

ہمارے باپ ' دادا اس پر قابض تھے اور ابھی ہم ہیں 'آپ دعوای کر رہے ہیں کہ زمین ہماری ہے 'پس آپ مدعی ہے۔

الثاني: المدعی هو من قوله مخالف للحجه[61]

یعنی مدعی اسے کہا جاتا ہے 'جس کی بات حجت کے مخالف ہو۔

یدامارہ ہے ملکیت پر 'یعنی اگر کوئی شخص کسی مال پر قابض ہو تو وہ اسی کا مالک ہے 'ابھی زمین ہمارے قبضے میں ہیں 'پس ہم اس کے مالک ہیں 'آپ مدعی ہے۔

الثالث: المدعی هو من قوله مخالف للظاهر[62].

یعنی مدعی وہ ہے جس کی بات ظاہر کے مخالف ہو۔

ظاہر، ید، یہ ہے کہ وہ اس کے مالک ہے۔ آپ کا دعوا اس ظاہر کے مخالف ہے 'پس آپ مدعی ہے۔

---

59 : مقالہ نگار : حجت الاسلام علی خان علی آبادی ساکن قم ایران۔

60 : شرایع الاسلام 'ج۴ 'ص ۸۹۳ - القواعد الفقهیه ' میرزا حسن بجنوردی 'ج ۳ 'ص ۷۵۔

61 : کتاب القضاء 'آشتیانی 'ص ۳۳۳ - جواہر الکلام ' ج ۴۰ 'ص ۳۷۳ - القواعد الفقهیه ' میرزا حسن بجنوردی ' ج ۳ 'ص ۴۷ - القواعد الفقهیه ' مکارم شیرازی ' ص ۳۴۱۔

62 : قواعد فقہ 'سید مصطفیٰ محقق میر داماد 'ج3 'ص111 -

الرابع:المدعي هو من قوله مخالف الاصل[63].

مدعی وہ ہے جس کا دعوا اصل کے مخالف ہو۔

اصل استصحاب ‘اصل صحت اور اصل ‘ید ‘سب ہمارے حق میں ہیں ‘اور آپ کے خلاف ہیں لہٰذا آپ مدعی ہیں۔

63 : کتاب القضاء ‘آشتیانی ‘ص ۳۳۳ - شرایع الاسلام ‘ج ۴ ‘ص ۸۹۳ - جواہر الکلام ‘ج ۴۰ ‘ص ۳۷۲ - القواعد الفقہیہ ‘مکارم شیرازی ‘ج ۲ ‘ص ۳۴۱۔